سعدیہ عزیز آفریدی
بس اک دعا
آؤ ہمسفر ہوجائیں
Saba

سعدیہ عزیز آفریدی

ناولٹ

اور پھر ابھی تھوڑی دیر پہلے تک زندگی کس قدر جینے والی چیز لگا کرتی تھی بالکل حق کی طرح لیکن محض دو گھنٹے بعد ہی زندگی نے زرد چادر اوڑھ لی تھی اور مجبوری کے سوا جو باقی تھا۔ وہ ہوتے ہوئے بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا نہ چھ برس کی خوشگوار رفاقت ' نہ مسرت بھرا خواب آگیں گھر کا ماحول نہ ہی آئینے میں اپنے خال و خد۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ مجبوری بچی تھی اور اس نے جو کبھی سوچا تھا' وہ شاید اپنے حصے میں آئے مرد کو سمجھ چکی ہے۔ کسی بودی دلیل کی طرح اس کے منہ پر وقت نے طمانچے کی طرح واپس لوٹا دیا تھا۔ کبھی اسے زعم تھا' دنیا کا ہر مرد بدل سکتا ہے' پوری کی پوری دنیا بھی بدل سکتی ہے' مگر آنیحان حیدر کبھی بھی اس سے منہ نہیں موڑ سکتا اور ستم ظریفی تھی کہ دو گھنٹے پیشتر وہ ہی آنیحان حیدر ہی تھا جس نے بڑے کروفر سے کہا تھا۔

"گیتی فیروز پلیز' تم مجھ پر انحصار کرنا چھوڑ دو۔"

اور اس نے بہت سانس روک کر یہ فیصلہ سنا تھا پھر بہت لجاجت سے کہا تھا۔

"کیا۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی پلیز آنیحی! مجھ سے اتنے روکھے پن سے تو نہ بولیں۔ کیا ہوا بتایئے ناں۔" اور اس چھ فٹ کے گندمی رنگت کے بہت اسمارٹ سے شخص نے اسے جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ بہت متوازن قدم رکھتا کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا اور وہ تھی مسلسل اسی سانحے پر بین ڈال ڈال کر تھکنے کے باوجود بس روئے جا رہی تھی۔ کمرے میں گہری رات چھائی ہوئی تھی۔ اس کے دل کی طرح مگر وہ جے دعوا تھا کہ وہ اس کے قدم قدم پر روشنی کے چراغ جلائے گا۔ اس سے منہ موڑے گیسٹ روم میں لمبی تان کر سو رہا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے برابر کے کمرے میں محو خواب تھے اور وہ حیرت کی تصویر بنی خود کو حسرت سے تک رہی تھی۔

"آنیحی! آخر مجھ سے کہاں غلطی ہوئی' کہاں میں نے ٹھوکر کھائی جو آپ! آپ نے اس طرح مجھ سے منہ موڑ لیا۔ آخر کہاں کمی کر دی میں نے آپ کی محبت میں جو آپ نے اپنا راستہ بدل لیا۔ آنیحان آخر کیوں؟"

وہ بکھرے بالوں کو یونہی شانوں پر بکھرائے کمرے سے نکلی۔ ارادہ تھا کہ دوٹوک بات کرے گی۔ ایک نئی نشست لگا کر اس کا اختیار اور اپنا ضبط آزمائے گی۔ مگر گیسٹ روم کی سمت بڑھتے بڑھتے ——— ہمت جواب دے گئی اور اس نے سوچا اگر آنیحان نے جواب طلب کرنے میں کج بحثی دکھانے پر ایک آخری فیصلہ ہی اسے تھما دیا تو کیا ہوگا اس کے بچے اور اس کی محبت جو وہ دس برس سے اس شخص سے کرتی چلی آئی تھی بلکہ شعور کی حد پھلانگتے ہی جس ہم سفر کے لیے محبت سینت سینت کر رکھتی آئی تھی' اس محبت کا کیا ہوگا' سو وہ پارہ پارہ وجود سے چھٹی محبت سمیٹے بچوں کے کمرے میں چلی آئی۔

کمرے میں نائٹ بلب روشن تھا اور اس کے دونوں جڑواں بیٹے ایک ہی بیڈ پر گہری نیند میں غرق تھے ادھر دونوں کی پیشانیوں پر بکھرے سیاہ بال اس دشمن جاں کی یاد دلا رہے تھے سونے کے انداز میں وہی لاابالی پن تھا جو آنیحان حیدر کا تھا اور جو آج تک نہیں بدلا تھا۔

"آنیحان۔" دل کے ایوان میں نام سسکی بن کر گونجا اور وہ وہیں کارپٹ پر کشن رکھے سونے اور نہ سونے کی کوشش میں تھک کر چور لیٹ گئی اور اس سے زیادہ تھکا ہوا تھا۔

*_*_*

میرے پیارے ایشم عباس!

بہت محبتیں اور ڈھیر سارا پیار

کے بعد سوچنے بیٹھا ہوں تو دل کہتا ہے بہت کچھ لکھوں لیکن لفظ بغاوت پر ایسے اتر آتے ہیں کہ پھر کچھ بھی نہیں سوچا جاتا۔ تمہیں یاد ہے ناں میں کس قدر لاپروا انسان تھا کس قدر۔

تمہیں یاد ہے ناں ایشم! میں نے زندگی کس قدر سہل پائی تھی نوکر' چاکر' گاڑی' بنگلہ اتنا طویل اتنا طویل کہ لوگ کھوجنے نکلیں خود کو اور گم ہو کر رہ جائیں۔ میری خودسری ضرب المثل تھی۔ میں کتنا بااختیار تھا شروع سے سب بہن بھائیوں میں سب سے بااختیار اور مما تھیں۔ مجھے دیکھ کر کہتی تھیں۔

"لوگوں نے خواہ مخواہ اڑا رکھا ہے کہ سب سے بڑا اور سب سے چھوٹا بچہ خود سر ضدی ہوا کرتا ہے مگر یہ آنیحی بھی تو ہے سات بچوں پر پانچویں نمبر پر ہو کر ہوش بھلائے دیتا ہے۔" میں مما کی یہ رائے سنتا تو خوب ہنستا اور تمہیں فون کھڑکا کر کہتا۔

ایشم! تمہیں پتا ہے ناں میں ایسا کیوں ہوں؟

تو تم کچھ بھی نہیں کہتے۔ ایک لفظ بھی نہیں لیکن مجھے لگتا اس سارے شہر میں ایک تم مجھے جاننے والے میرے اپنے ہو' اگر میں کسی دن خود کو بھول بھی جاؤں تو تم ہو گے جو ایک اس شہر میں مجھے کھوجنے نکلو گے اور ___ اور مجھے پا بھی لو گے کیونکہ میں کہیں باہر نہیں تمہارے دل میں رہتا ہوں۔

تم حیران ہو رہے ہو گے دس برس بعد اچانک میں نے تمہیں کیوں یاد کیا تو میرے ہمدم دیرینہ آج بس میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں کسی اپنے کے کاندھے سے سر ٹکا کر خوب روؤں۔ اتنا' اتنا کہ مرے اندر جو ایک خبر سے غبار بھر گیا ہے۔ وہ ڈھل جائے' نہیں یار من! وہ خبر آج نہیں سناؤں گا کہ آج میں نے زندگی میں پہلی بار اپنی پیاری سی گیتی فیروز کا دل دکھایا ہے اور یہ کام اتنا تھکا دینے والا ہے کہ اب مجھ میں اور کسی بات کو شیئر کرنے کی ہمت نہیں۔ کل ہو سکتا ہے میں تمہیں اگلا خط لکھوں اگلا یا شاید آخری۔

فقط تمہارا دوست آنیحان حیدر

لکھتے لکھتے اس نے یکدم قلم روک کر کرسی سے ٹیک لگائی۔ سامنے مارون گولڈ کا پیکٹ اور لائٹر دھرا تھا مگر اس لمحے اس کے اندر کہیں سے سگریٹ پینے کی طلب نہ جاگی۔ اس نے پیشانی پر آجانے والے بال ہاتھ سے پیچھے کیے جو لکھنے کے دوران نیچے آگرے تھے اور بس اسی لمحے کہیں قریب گیتی فیروز پکاری تھی۔

"آنیحی! آپ کے بال کتنے سلکی ہیں خواتین سے کہیں زیادہ' ہم تو شیمپو کی لائن بھی لگا لیں تو اتنے پیارے بال نہ پاسکیں اور آپ کو تو یہ گاڈ گفٹڈ ہیں۔"

اور اس کی مدھم مسکراہٹ کس قدر جاندار لیکن یہ سلکی بال وہ خود اور وہ گیتی فیروز سب کتنے فانی' تعلق کتنے مٹ جانے والے آسرے تھے۔ اس نے

سلیپنگ گاؤن کی ڈوریاں باندھیں اور قدم قدم ٹیرس پر آرکا۔ ایک نہیں پھر اس نے کئی لمبی سانسیں کھینچی تھیں' لیکن اندر کی گھٹن کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی گئی تھی۔ وہ کین کی کرسی پر بیٹھ گیا اور ماضی تھا کسی شریر بچے کی طرح اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے بار بار پوچھ رہا تھا۔

"کون؟ بولو ناں کون ___؟" اذیت مسکراہٹ چہرے پر زخم کی لکیر کی طرح کھنچ گئی تو اس نے خود کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا اور ماضی کا شور تھا اس کے اردگرد۔ بظاہر وہ کین کی کرسی پر تھا لیکن تیس برس پیشتر وہ اس لمحے اپنے بیڈ روم میں سانس لے رہا تھا مما اسے سونے کا کہہ کر جا چکی تھیں اور وہ ان کے سامنے سوتا بن گیا تھا مگر اس وقت اس کی گود میں پیارا سا پپی تھا اور وہ چھوٹی سی بوتل میں نپل لگا کر اسے دودھ پلانے کی ناکام کوشش میں غلطاں و پیچاں تھا کہ یکدم دروازے پر دستک ہوئی۔

"آنیحی! آنیحی بیٹا! سو گئے کیا؟" دادا جان کی آواز تھی یہ' سو وہ ساری احتیاط بالائے طاق رکھ کر بستر سے چھلانگ مار کر دروازہ کھولے باہر نکل آیا۔

"دادو! میں سو تو نہیں رہا۔ بس مما کو بنا رہا تھا۔"

"کیا بنا رہے تھے؟" دادو نے مسکراتے ہوئے اسے خود سے قریب کر لیا مگر پھر ایک جھٹکے سے پرے کرتے ہوئے خفگی سے بولے۔

"آنیحی! یہ کیا تم پھر ڈوگی سے کھیل رہے تھے۔"

اور وہ تھا صاف مکرنے پر تیار۔

"نہیں تو دادو! میں بھلا کہاں کھیل رہا تھا ڈوگی سے۔ میں تو بستر پہ لیٹا تھا اور سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ضرور آپ کی ناک آج دھوکا دے رہی ہے۔"

"بکو مت۔ میری ناک اور حسیات بالکل ٹھیک ہیں' بس یہ ہے کہ تم اپنے پاپا کی طرح ابھی سے مجھے بنانے کی مشق کر رہے ہو یہ دیکھو۔ یہ کیا تمہارے بال ہیں آنیحی۔" دادو نے سلیپنگ سوٹ کی لائٹ بلو شرٹ سے چھ سات آف وائٹ چھوٹے چھوٹے بال پکڑ کر اس کے سامنے کیے تو وہ ہنسنے لگا۔ پیاری سی موہنی سی ہنسی۔

"سوری دادو! بس کیا کروں۔ میں سرونٹ کوارٹرز میں گیا تو کسی طرح ان بچوں کی محبت سے خود کو بچا نہیں پایا پورے پانچ بچے پالنے کی آپ تو اجازت نہیں دے سکتے تھے اس لیے صرف ایک پپی۔ پلیز دادو! ایک پپی کے لیے تو اجازت دے دیں ناں۔"

وہ منانے لگا اور ایک اس گھر میں صرف دادو سے روٹھنے اور دادو کو منانے ہی میں تو اسے مزا آتا تھا۔ دادو کتنی دیر تک اس کے چہرے پر نظریں گاڑے کھڑے رہے پھر کمرے میں جا کر پپی کا دیدار کر کے بولے۔

"پیارا بچہ ہے پال لو لیکن اپنے بستر پر مت سلانا۔ کتے نجس ہوتے ہیں ناں۔"

"جی دادو! مجھے پتا ہے مگر یہ تو پلا ہے کتے کا بچہ۔ کیا یہ بھی۔" دادو نے کان مروڑ دیا پھر مسکرا کر بولے۔

"شریر لڑکے! بنایا مت کرو زیادہ' جو کہا ہے وہی کرو۔ یہ پپی یا تو ٹیرس میں رہے گا' یا گیراج میں۔"

اور اس نے فوراً" چٹکی بجا کر کہا۔ "گیراج ٹھیک رہے گا۔ دادو! آپ مجھے اس کا گھر بنا دیں گے ناں۔"

اور دادو نے چھ برس کے اپنے اس پوتے کو بہت محبت سے دیکھا جو سارے گھر میں اکھڑ ضدی اور خودسر مشہور تھا اور جس کی مان کر ہمیشہ انہیں تسکین ملا کرتی تھی یوں جیسے حیدر نعمان پھر سے چھوٹا ہو کر ان کے سامنے کھڑے ضدیں کر رہے ہوں' استحقاق سے اپنی منوا رہے ہوں۔

"دادو بتائیے ناں آپ گیراج میں اس کا گھر بنا دیں گے ناں۔"

انہوں نے اس کے سلکی سیاہ گھنگھریالے بالوں میں ہاتھ پھنسایا۔ بال سنوارے پھر مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے کمرے سے باہر چلے گئے۔

دوسرے دن اتوار تھا۔ وہ ناشتے کے بعد دادو کے ساتھ گیراج میں گتے کے ڈبے سے نئے پپی کا گھر بنا رہا تھا۔ ڈرائیور گیراج سے گاڑی نکالنے آیا تو تحیر سے بولا۔

"بڑے صاحب! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

اور دادو کی جگہ وہ آنکھیں چمکا کر بولا "دیکھ نہیں رہے' دادو میرے پپی کے لیے گھر بنا رہے ہیں۔"

"لیکن بپی اور ڈوگیز کا تو سرونٹ کوارٹرز کی طرف انتظام ہے ناں پھر یہاں کیوں؟" دادو خاموشی سے کام میں لگے رہے اور وہ پھر سے دفاع میں بولا۔

"ہوگا انتظام لیکن یہ عام بپی نہیں، یہ میرا ہیرو ہے میرا پیارا دوست۔"

"ہوں، ہوں۔" دادو نے باریک فریم کی عینک سے گھور کر تنبیہہ کی تو ترمیم کرکے بولا۔

"نہیں سوری۔ انسان کے دوست انسان ہوتے ہیں، یہ بس ہمارا خاص بپی ہے۔ اس لیے یہ کتوں کے ساتھ نہیں رہے گا یہ یہاں گیراج میں رہا کرے گا۔"

اور شوفر تھا اس سے یہ بات ہضم نہ ہوئی تو فوراً حیدر نعمان سے جڑدی۔ پاپا تن فن کرتے گیراج کی طرف آئے پھر مرے ہوئے لہجے میں بولے۔

"اوہ بابا! یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔ آپ جانتے نہیں، یہ پہلے ہی پڑھائی کی طرف سے کتنا لاپروا ہے۔ آپ اسے اور نئی تفریح دے دیں۔ ہر وقت یہیں دھرا رہے گا۔"

دادو نے لب کھولے ہی تھے کہ وہ سامنے آکھڑا ہوا۔ "پرامس پاپا! میں ہرگز ہرگز پڑھائی کو مس نہیں کروں گا بس رات کو سونے سے پہلے اور صبح اٹھنے کے بعد بپی سے باتیں کروں گا۔"

"کیوں یہ تمہاری اولاد ہے کیا؟ جس کا چہرہ دیکھے بنا تمہاری صبح اور رات نہیں ہوتی ہے؟"

مما، پاپا کی پشت سے ابھر کر یکدم سارے منظر پر چھاتی چلی گئیں تو اس کا جھکا سر اور جھک گیا۔ وہ جانتا تھا پاپا، ماما کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا کرتے اور ماما کتوں سے بہت الرجک تھیں صرف حفاظت کے خیال سے کتاخانہ بنوایا گیا تھا۔ جن میں موجود خطرناک اور شکاری کتے ادل بدل کے ہر رات کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں پہرہ دیا کرتے تھے پھر یہ تو ناممکن ہی تھا ناں کہ وہ اسے اس طرح کا کوئی شوق پورا کرنے کی اجازت دیتیں۔ وہ مکمل طور پر مایوس تھا جب اچانک اندھیرے میں روشنی کی کرن جاگی اور پاپا نے شاید پہلی بار اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کیا۔

"ٹھیک ہے آنیجی! مگر یاد رکھنا۔ میں نے پڑھائی کی طرف سے کوتاہی دیکھی تو بہت برا ہوگا آپ کے ساتھ۔"

وہ مرجھا گیا تھا۔ یکدم کھل اٹھا پھر ان کے بڑے سے ہاتھ پر اپنا ننھا منا سا ہاتھ رکھ کر بولا۔

"پرامس پاپا! میں بہت اچھا بن کر رہوں گا۔ کوئی شکایت نہ ہوگی آپ کو مجھ سے۔" پاپا سرہلاتے آگے بڑھ گئے اور وہ دادو کے گلے میں جھول گیا پھر جتانے کو بولا۔ "دیکھا دادو! پاپا کتنے اچھے ہیں، فوراً" اپنے بیٹے کی بات مان گئے اور اس دن آپ کہہ رہے تھے۔ پاپا کبھی مما کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتے۔"

"ہوں او۔" دادو نے گھور کے دیکھا تو سوری کرنے لگا اور وقت تھا اس کی معذرت پر کسی شریر بچے کی طرح قہقہے لگا رہا تھا، شاید وقت وہ جانتا تھا جو یہ بچہ نہیں جانتا تھا اور دادو گھر بنا چکے تو باہر کین کی کرسی پر آبیٹھے پھر آنیحان کو سینے سے لگا کر بولے۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو آنیجی! تمہارا پاپا واقعی بہت اچھا باپ ہے۔ مگر دعا کرو، وہ ایک اچھا بیٹا بننا بھی سیکھ جائے۔"

آنیحان دادو کے فقرے میں معنی تلاش کرتا رہا اور کچھ لمحے اور سرک گئے پھر ان سرکتے لمحوں میں اچانک اسے بورڈنگ ہاؤس کی سمت روانہ کیا جانے لگا تو وہ نہ اپنا کمرہ چھوٹنے پر رویا نہ اپنے کمرے میں بکھرے کھلونوں کو چھوڑنے پر اس کی آنکھوں میں نمی اتری۔ اس دن اس نے کسی کو مس نہیں کیا۔ دادو سے بچھڑنے کے سوا اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ اس کا بپی اب بھاگنے دوڑنے لگا تھا۔ اس کی تیاریاں دیکھ دیکھ کر وہ اداس ہو ہو کر اس کے قدموں میں لوٹ رہا تھا۔ ناراض سمجھ کر اسے منا رہا تھا اور وہ بیگ میں کپڑے رکھتی آپا کو دیکھ دیکھ کر ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔

"اس کے بعد دادو کا کیا ہوگا ـــــــ" سوال زیادہ شور کرنے لگے تو وہ دادو کے بیڈ روم میں چلا گیا۔ اب وہ بارہ برس کا شعور رکھنے والا لڑکا تھا۔ سو دادو سے پوچھ سکتا تھا اور دادو نہ بتانے پر کمر بستہ کمرے میں اندھیرا کیے لیٹے تھے۔

"دادو ـــــ کیا آپ سوگئے؟"

"نہیں تو، جاگ رہا ہوں۔"

"آپ مجھ سے ناراض ہیں دادو؟" چند قدم اور بڑھ کر پوچھا۔ دادو نے سر نفی میں ہلایا مگر وہ اندھیرے میں دیکھ نہیں پایا۔ سو دوڑتا ہوا ان کے بیڈ کے قریب جا رکا۔

"دادو! بتایئے ناں۔ آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" ٹیبل لیمپ کا بٹن آن کرکے پھر سے سوال مکرر کیا تو دادو نے بمشکل جھکا چہرہ اٹھایا یوں جیسے کسی کی سب سے قیمتی متاع کسی نے چرالی ہو کسی بہت ہی اپنے نے اور بندہ شور بھی نہ کرسکے، اپنے لٹنے کا کہ وہ کوئی اپنا دل کے بہت ہی قریب تھا۔

"دادو۔ آپ! آپ رو رہے ہو۔ کیوں دادو کیا میرے جانے پر۔"

دادو نے کچھ نہ کہا، کھینچ کر سینے سے لگالیا پھر کاندھے سے سر ٹکا کر خاموشی سے روتے گئے۔

"تم چلے جاؤ گے آنیجی تو تمہارے دادو کا کیا ہوگا۔ ایک تم ہی تو میری سنتے تھے، اب میں کس سے اپنے دل کی کہوں گا؟"

آنیحان سانس روکے دادو کے وجود میں اترنے والی ہجر کی ایک ایک پھانس، تنہائی کے سحر کی ایک ایک سوئی پر پوریں رکھتا رہا مگر کسی اچھے شہزادے کی طرح اس نے ان پھانسوں، ان سوئیوں کو چننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ تو خود بچپن سے انہی آزاروں میں مبتلا تھا۔ بس وہ تھا اور دادو تھے ایک دوسرے کے ہمدم و دمساز۔ ایک دوسرے کے بہت اپنے اور اب کڑا فیصلہ تھا کہ وہ دونوں بچھڑ رہے تھے۔

دادو دلگیر سے تھکے تھکے انداز میں بیڈ سے پیر لٹکائے بیٹھے تھے۔ آئی جان اب بھی ان کے کاندھے سے سر ٹکائے کھڑا تھا۔ یوں لگتا تھا دونوں کے پاس لفظ اور باتیں ختم ہوچکی تھیں یا اس قدر فراوانی تھی ان کے اندر ان لفظوں ان باتوں کی کہ ٹھیک اور ضروری بات چننے میں دشواری ہو رہی تھی انہیں، سو دونوں خاموش تھے پھر کچھ ساعتیں گزریں تب دادو نے سنبھل کے پوچھا۔

"تو تم واقعی چلے جاؤ گے آنیجی!" بظاہر وہ سوال کر رہے تھے لیکن در حقیقت لگتا تھا کوئی لاچار دل تھا ملتجی کہہ رہا تھا۔

"مت جاؤ آنیجی۔" دادو کے کرب پر اس کی آنکھیں پھر نم ہوگئیں۔

"میں ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں دادو! صرف پڑھنے کے لیے جاؤں گا۔ ایک دن تو مجھے یہیں لوٹنا ہے ناں۔"

"ہاں شاید لیکن کیا واقعی تم آؤ گے تو میں تمہیں ملوں گا۔"

"پلیز دادو! ایسی باتیں تو نہ کریں بھلا آپ کو کیا ہوگا۔ کیا ہوسکتا ہے۔ مجھ جیسے پوتے کے ہوتے۔ آپ مایوس کیوں ہوتے ہیں۔" دادو نے گہری لمبی سانس کھینچی۔ پھر بولے۔

"اس لیے کیونکہ میری ہر سانس اب بانگ جرس سے مشابہ ہوگئی ہے۔ میں نے، میری روح نے بہت سفر کرلیا ہے آنیجی۔ اور اب! اب میں تھک گیا ہوں کون سا لمحہ، کون سی ساعت اذن سفر ملے کون جانے پھر۔ ایسے میں تم بھی جا رہے ہو تو یہ تھکن تو اور بڑھ جائے گی ناں۔"

"نہیں بڑھے گی دادو! اگر آپ خوش امیدی سے سوچیں گے۔ ادھر دیکھیے میری آنکھوں میں دیکھیے۔ آپ کی ساری تھکن مٹ جائے گی۔"

"ہاں مگر جب تم چلے جاؤ گے تو پھر میں کن آنکھوں میں دیکھا کروں گا۔"

"ان ہی آنکھوں میں دادو! میں ہر روز آپ کو اپنی آنکھیں پینٹ کرکے بھیجوں گا۔ ہر روز خط لکھوں گا۔ ہر ہفتے فون بھی کروں گا پھر تو ـــــــ پھر تو آپ نہیں تھکیں گے نہیں ناں۔"

دادو نے کچھ نہ کہا اور وہ مری کے لیے روانہ ہوگیا۔ اس نے اپنا وعدہ نبھایا۔ ہر روز پاپا کی فیکس مشین پر اس کی اپنی پینٹ کی ہوئی آنکھیں پرنٹ ہوکر آتیں۔ خط آتے۔ اس کی آواز سنائی دیتی لیکن دادو ٹیلی فون، فیکس مشین اور خطوں میں لفظوں میں دوڑتے بھاگتے پورے کے پورے آنیحان کو برآمد کرنے کے درد سر

میں مبتلا تھے۔ بس اس لیے ہی تھکتے چلے گئے۔ اسے ان کی بیماری کی اطلاع ملی تو وہ دو دن کی چھٹی لے کر گھر پہنچا۔ پتا نہیں اس دفعہ پاپا نے کوئی عذر، کوئی بہانا اور کوئی فیصلہ کیوں نہ سنایا تھا۔ خاموشی سے درخواست دے کر اس کی منظوری لے کر اس کے ہمراہ گھر لوٹ آئے تھے اور تب وہ کتنی تیزی سے دو دو، تین تین سیڑھیاں پھلانگتا دادو کے بیڈ روم کی طرف دوڑتا چلا گیا تھا مگر دادو کہاں تھے؟

"میرے دادو کہاں ہیں؟" وہ چلایا جیسے سارے جہان میں ایک اس کے دادو ہی تھے اور اب وہ اس سے چھن گئے تھے تو کچھ بھی سنائی اور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"دادو کہاں ہیں؟" اس نے سہمے ہوئے پاپا کا شانہ ہلایا ضبط گریہ سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔ تب اچانک پاپا نے پندرہ برس کے آنیحان حیدر سے یکدم سہارے کا آخری ستون ضبط کا آخری کونہ تک بے دردی سے چھین لیا، وہ کتنی دیر تک ساکت رہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے دادو نہیں مر سکتے۔ کیوں بھلا وہ کیوں مر گئے نہیں میرے دادو۔ آپ نے کسی نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"تمہارے امتحان ہو رہے تھے۔ تمہارے دادو نے ہی منع کیا تھا۔ تمہاری تعلیم کا حرج ہوتا۔"

"میری تعلیم ـــــ میرا کیریر ـــــ!" وہ نروٹھے پن سے پاپا کو دیکھے گیا پھر سے دادو کے کمرے کی طرف دوڑا یوں جیسے وہ ابھی بھی بانہیں کھولے اس کے منتظر ہوں۔

"دادو! دیکھیے میں آ گیا ہوں۔ آپ کا آنیجی دادو یہ دیکھیے میری آنکھیں ان میں جھانکیے دادو آپ کی سب تھکن مٹ جائے گی۔"

وہ زور زور سے چلانے لگا، دادو کی رائٹنگ ٹیبل اس کے دل کی طرح کتنی اداس تھی۔ وہ کارپٹ پر بیٹھ گیا تب کہیں سے اس کا ہیرو پپی بھاگ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"کیسے ہو ہیرو؟" اس نے اس کے بال سہلائے اور وہ اداس اپنے دونوں ہاتھوں پر سر رکھے اسے حسرت سے دیکھنے لگا۔ وہ خالی دل بیٹھا رہا پھر تنہائی کم کرنے کو بولا۔

"تم یہاں دادو کے کمرے میں ہیرو! دادو نے تمہیں یہاں آنے کی اجازت کیسے دے دی؟"

تب اچانک دروازہ کھلا۔ اس کی بوڑھی آیا کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں رات کے کھانے کی ٹرے تھی۔

"لے جاؤ مسز فلورا، مجھے بھوک نہیں ہے ابھی۔"

"کچھ تو کھا لو بابا ورنہ بیگم صاحب مجھے بہت ڈانٹیں گی۔" اس نے نظر بھر کر انہیں دیکھا پھر غم آلود لہجے میں بولا۔

"ایک شرط پر کھاؤں گا اگر تم مجھے دادو کے آخری ایام کے متعلق بتاؤ گی۔" وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئیں۔

"کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"صرف اتنا کہ دادو میرے متعلق کیا کہتے تھے جانے سے پہلے اور وہ میرے خط، میری آنکھیں وہ سب کیا ہوئیں اور یہ ڈوگی یہ دادو کے کمرے میں کیسے؟ دادو تو کتوں سے بہت الرجک تھے ناں۔"

"ہاں بابا! لیکن تمہارے جاتے ہی لگنے لگا تھا دادو کا اس ڈوگی کے سوا کوئی دوست نہیں رہا تھا وہ ہر وقت اس کے پاس بیٹھے رہتے۔ اس سے آپ کی باتیں کیا کرتے، کہتے تھے بہت بے وفا ہے آنیحان اسے نہ تمہاری پروا ہے نہ میری۔ دیکھو تو ہم دونوں کو اکیلا چھوڑ گیا سنو ڈوگی یہ تو ناانصافی ہے ناں۔ اگر اس نے ہمارے پاس رہنا ہی نہیں تھا تو ہمیں اپنا عادی کیوں بنایا۔ کیوں ہمارے دل میں بس گیا۔ پیار کرتے اسے پھر رونے لگتے پھر کہتے۔ تمہیں یاد آتا ہے ناں آنیجی۔ میں انہیں ناشتہ اور لنچ دینے جاتی تو کہتے۔ "مسز فلورا! کیا تمہیں بھی آنیجی یاد آتا ہے؟" میں سر ہلاتی تو کہتے۔

"مسز فلورا! آپ اسے یاد کرتی ہیں تو پھر دل کی رگیں ٹوٹنے سے۔ پہلے اسے بھلانے کے لیے کیا کر آزمائی ہیں۔ وہ فیڈ آؤٹ کیسے ہوتا ہے آپ کی سوچ سے۔ مجھے دیکھئے مجھے تو اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہیں ہو، یہیں کہیں میرے بہت قریب۔"

وہ زور زور سے رونے لگا تو مسز فلورا اس کے خطوط اس کی آنکھوں کے فلیکس اٹھا لائیں۔ ہر پرنٹ کے نیچے دادو نے غم آلود سا شعر لکھا تھا۔ شکوہ تحریر کیا تھا۔

"تمہاری آنکھوں میں جھانکنے کی جب بھی کوشش کرتا ہوں۔ میرا دل کہتا ہے صرف آنکھیں کیوں میرا پورے کا پورا آنیحان کدھر ہے۔ میری زندگی کا چاند کدھر ہے۔ اپنے نام کی طرح نور نہایا چاند کدھر ہے، کہاں ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ سوال میرے دل کا نہیں اس ایک ایک ذرے کا سوال ہے۔ آنیجی کب لوٹو گے؟"

"دادو!" وہ دادو کا آخری خط پڑھتے پڑھتے پھر سے رونے لگا تھا تو پھر سے خط پر نظریں گاڑیں لکھا۔

"کدھر ہو میرے دل کے چین۔ کہاں ہو ادھر دیکھو میرے ہر موئے تن سے تھکن آنسو کی طرح ٹپکے جا رہی ہے۔ میرے اردگرد تنہائی کی فصیلیں بلند سے بلند ہو رہی ہیں اور اب کوئی روزن نہیں رہا ہے میری زندگی میں، تمہارا پاپا مجھ سے تمہاری آنکھیں چرانے لگا ہے اور تمہاری ماما نے میرے کمرے سے ایکسٹینشن اٹھوا لیا ہے۔ وہ کہتی ہیں میں تمہیں یکسو ہونے نہیں دیتا اور کوئی نہیں ہے جو میری طرف دیکھے اور کہے میں اس قدر منتشر کیوں ہوں۔ تمہارے بھائی کہتے ہیں، تمہیں کانوینٹ میں اسی لیے بھیجا ہے کہ تم مجھ سے دور رہ سکو۔ تم ان کے ماحول کے مطابق نہیں چل رہے تھے، اس لیے روٹ تو بدلنا ہی تھا ناں مگر کوئی پوچھے میری زندگی کی ٹرین کتنی بے سمت چلنے لگی ہے مگر یہ کون پوچھے گا؟ ایک ہی تو تھا میرا پوچھنے والا اور اب وہ مجھ سے زبردستی جدا کر دیا گیا ہے۔ تم سن رہے ناں آنیجی تمہارے دادو کتنے تنہا ہو گئے ہیں۔"

اس نے خط کو چوم کر مسز فلورا کی طرف دیکھا۔

"یہ خط مجھے پوسٹ کیوں نہیں کیا مسز فلورا؟"

"صرف اس لیے کہ جس دن یہ خط انہوں نے مجھے پوسٹ کرنے کو دیا، اس کے دوسرے دن ان کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ گھر میں عزیز رشتہ داروں اور صاحب کے دوستوں کا اس قدر جمگھٹا تھا کہ مجھے یاد ہی نہیں رہا پھر۔"

اس نے خط کے دائیں کونے پر دیکھا۔ دادو نے خوبصورتی سے تاریخ درج کر رکھی تھی۔ اس نے حساب لگایا تو تین مہینے کے بعد کی تاریخ تھی۔ اب اسے یاد آ رہا تھا کہ ہر بار فون کرنے پر دادو سوئے ہوتے گھر سے باہر یا مصروف کیوں ملا کرتے تھے۔ اتنے مصروف کہ اس سے بات بھی نہیں کرتے تھے، خط کے جواب میں مکمل خاموش کیوں تھے اس کا اندازہ تھا اس صورتحال پر کہ شاید دادو ناراض ہیں سو اس نے فیصلہ کیا تھا کہ امتحانات سے نمٹ کر جب وہ گھر آئے گا تو خود ہی دادو کو منا لے گا مگر یہاں کس قدر بڑا داؤ کھیلا گیا تھا اس سے۔

اس نے خط جیب میں رکھ لیا۔ فلیکس شدہ آنکھیں، اپنے خطوط سب اٹھا کر وہ کچن میں چلا آیا، مگر دادو کے ہاتھ کے لکھے اشعار قینچی سے کاٹنا نہیں بھولا تھا۔ سارے اشعار پن اپ کر کے اس نے بیگ میں رکھ لیے تھے اور سارے کاغذ ایک کے بعد ایک جلانے لگا تھا۔ کک نے اس حرکت کی اطلاع دی تو صرف پاپا اٹھ کر کچن میں آئے تھے۔

"کیا جلا رہے ہو آنیجی۔" اس نے خالی دل سے بھی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھا پھر نارمل بولا۔

"کچھ بھی نہیں پاپا، بس یہ آنکھیں تھیں جو جلا رہا تھا بے کار، بے سحر آنکھیں جو کسی کو جینے پر آمادہ بھی نہ رکھ سکیں۔ انہیں خود بھی مر ہی جانا چاہیے ناں پاپا۔"

پاپا نے خوف سے بیٹے کو دیکھا۔ آنکھوں کی تپلی میں آنیحان حیدر نے آخری سانس لی تھی۔ اس لمحے پاپا اسے سمجھا ہی نہ سکے تھے کہ وہ دوسرے دن کی فلائیٹ سے واپس چلا گیا۔ پھر اس نے خود سے پلٹنے کی کبھی کوشش نہیں کی وہ چھٹیوں میں بھی گھر آنے کے بجائے وہیں شب و روز گزارا کرتا تھا پھر وہ پاپا کی بیماری کا سن کر ہی کراچی لوٹا تھا مگر ایسے کہ پھر جا نہیں سکا۔

ایم اے کا دوسرا سال تھا جب اس نے پنجاب یونیورسٹی سے مائیگریشن کروایا۔ کراچی پہلے سے بہت بدل گیا تھا۔ مگر اسے اس کے بدلنے سے زیادہ

ایک اچھے دوست کے گم ہونے کا غم زیادہ تھا اس لیے اس نے اس کی خوبی پر نہ اسے سراہا نہ خامیوں پر اس سے منہ موڑا کہ وہ تو پورا کا پورا ناراض تھا اس شہر سے۔

بابا پھر صحت یاب ہو گئے مگر ڈاکٹرز نے انہیں مکمل آرام کا مشورہ دے ڈالا تھا۔ سارا کاروبار بھائیوں نے سنبھال لیا تھا۔ دونوں بہنوں کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ خود میں مگن تھا اور بابا تھے اٹھتے بیٹھتے کہتے تھے۔

"اپنے شیئر پر چیک رکھو۔ آنیحی! تمہارے نام جو بزنس اور پراپرٹی ہے۔ اسے تم خود دیکھو۔ اس دنیا میں کسی پر اعتبار اچھا نہیں۔ ہر فون پر تمہارے منیجرز مجھ سے تمہارے بزنس کے بارے میں کوئی نہ کوئی دل دہلانے والی بات ضرور کرتے ہیں۔"

"مثلاً" بابا۔" وہ لاپروائی سے کہتا تو بابا تپ جاتے۔

"کیا اب یہ بھی میں بتاؤں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جن سیکٹرز میں آج کل تیزی ہے' ان میں بھی شو کرتے وقت تمہارے حصے میں خسارہ کیونکر نکلتا ہے۔ تم کیوں نہیں سوچتے اس پر۔"

"میں کیوں سوچوں بابا؟"

وہ گستاخی سے کہتا ہوا اٹھ جاتا جیسے اس کی نظر میں کسی چیز کی اہمیت نہیں رہی تھی یا جو اہم تھا وہ چھین لیا گیا تھا تو پھر حسرت بھی نہ بچی تھی۔ حسرت جو غم آلود رکھتی ہے۔ دل کو اس احساس کے ساتھ کہ جس سینے میں وہ دھڑک رہا ہے وہ ذی نفس زندہ ہے اور آنیحان حیدر تو بہت پہلے خود کو مردہ تسلیم کر چکا تھا۔ داود کا خط اب بھی اس کے والٹ میں رکھا تھا' رکھا رہتا تھا جسے وہ تنہائی ملنے پر ہر روز پڑھتا اور صبح اٹھتا تھا تو لہجے میں سرد مہری اور تلخی پہلے سے کہیں بڑھی ہوئی ہوتی تھی۔

ماما اس سے عاجز تھیں اور بھائیوں میں وہ کبھی مقبول نہیں ہو سکا تھا۔ کیونکہ اس میں ساری بدعادتیں وافر تھیں۔ وہ چیرٹی کے نام پر اپنی پاکٹ منی کا ایک بڑا حصہ یونہی بقول بھائیوں کے ضائع کر دیا کرتا تھا۔ وہ ہر چھوٹے بندے سے مل لیا کرتا تھا' حال چال پوچھ لیا کرتا تھا۔ اسے اپنے سرکل میں موو کرنے

کے اطوار نہیں آتے تھے۔ کلب بھی وہ محض بلیرڈ اور سوئمنگ کے شوق میں جایا کرتا تھا۔ وہ بظاہر اپنی وجاہت کی بدولت لڑکیوں میں مقبول تھا لیکن کسی لڑکی کو اس کی نظر التفات کا کبھی سامنا نہیں ہوا۔ وہ سخت پتھر تھا جس سے کئی حسین دل ٹکرائے اور ٹوٹ کر پاش پاش ہو گئے۔

*_*_*

پھر بہت اچانک یہ ایک سرد سی شام تھی جب اس نے اپنی ریزرو کرائی گئی میز پر ایک اجنبی لڑکی کو دیکھا تھا جو آنکھیں کچھ برس بیشتر وہ جلا چکا تھا۔ یکدم وہ آنکھیں سانس لینے لگی تھیں' بظاہر چہرے میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ لیکن دل کے اندر کہیں گھنٹیاں سی بجی تھیں' بہت نازک سا سراپا اس پر پنک جارجٹ کی ساڑھی شانوں تک بکھرے ہوئے بال اور غلافی آنکھیں اور درحقیقت اس کے چہرے میں اس کی یہی آنکھیں قابل تھیں بظاہر نہ اس کا رنگ دودھ سا سفید تھا نا ہی شہد میں دودھ ملائے جانے کا گمان ہوتا تھا۔ بہت حد تک گندمی رنگت تھی لیکن اس وقت وہ اس ہال میں میک اپ کی منوں تہوں کے پیچھے چہروں سے بہت مختلف اور بہت پر تاثر لگ رہا تھا' وہ متوازن چلتا ہوا اس کے قریب آرکا۔

"سنیے مس! کیا یہ میز آپ کی ہے؟" اس نے انجان بن کر سوال کیا اور گندمی چہرے پر بدحواسی ہلکورے لینے لگی۔ ہراساں تو وہ پہلے بھی تھی لیکن اتنے قریب کسی مرد کو دیکھ کر اس کی سانس ہی رکنے لگی تھی۔ وہ حظ لیتا رہا پتا نہیں۔ WELLCOME YOU سے سجے چہروں میں یہ چہرہ کیوں اکسا رہا تھا اسے کہ وہ بات کرتا رہے اور اس کے چہرے پر بکھرنے والے ہر رنگ کو ایک ہی سانس میں پی جائے۔

"کیا آپ جانتی ہیں' یہ میز ریزرو ڈ ہے۔" پہلے سوال کا جواب نہ پا کر اس نے اگلا سوال داغا تو غلافی آنکھوں میں نم پھیلنے لگا پھر لب ملے۔

"وہ جی! دراصل میں یہاں خود نہیں آئی۔ مجھے یہاں کوئی لایا تھا۔"

"یعنی۔" اسے دھکا لگا تو لیا۔ مصفا چہرا اس قدر

ارزاں ہے اسے یہاں کوئی بھی لا سکتا ہے۔ کوئی بھی ایسا جس کا کوئی نام بھی نہ ہو۔

"آپ کالی ویل آف فیملی سے لگتی ہیں لیکن آپ یہاں۔" اس نے گویا خود کو خوش گمانی کا ایک مارجن دیا اور وہ لڑکی اس جملے پر آنسو آنسو ہو گئی۔

"ارے رے۔ آپ یہاں رو رہی ہیں۔ پلیز رکھیے۔ لوگ میرے بارے میں یہاں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں۔ پلیز یہ ٹشو لیں اور بتائیں آپ کو کیا مسئلہ درپیش ہے۔"

"مسئلہ مسائل کیسے جناب۔" اس نے ردوکد کے بجائے فوراً ٹشو سے آنکھیں پونچھیں اور اس نے ضروری سمجھا کہ تعارف ہو جانا چاہیے تاکہ تخاطب میں آسانی رہے سو پہل خود کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے آنیحان حیدر کہتے ہیں۔ آپ کا گڈ نیم۔"

"گیتی فیروز۔" یہی میرا نام ہے۔" تشکیک اس کے ہر لفظ سے ٹپک رہی تھی جیسے اسے اپنے نام پر بھی خود ہی شک ہو۔

"آپ بہت گھبرائی ہوئی ہیں' کوئی خاص بات۔" اس نے بدحواسی نوٹ کر کے بے تکلفی سے پوچھا تو وہ بے بسی کی تصویر بن گئی پھر مدھم سا بولی۔

"مجھے دراصل مسٹر آر کے رحمان یہاں لائے تھے۔ آپ شاید جانتے ہوں' وہ ایک مشہور فوٹوگرافر ہوتے ہیں۔"

"جی ہاں' میں جانتا ہوں ان سے کافی علیک سلیک ہے میری لیکن واضح نہیں ہوا۔ وہ آپ کو یہاں کیوں لائے تھے؟"

"وہ دراصل میرا فوٹو سیشن کروانے کی تفصیلات طے کرنے کے لیے یہاں آئے تھے۔ لیکن مجھے چھوڑ کر پتا نہیں وہ کہاں چلے گئے۔"

وہ پوری حیرت بھی نہ دکھا سکا کیونکہ پچھلے پندرہ منٹ سے وہ اسے اس قدر حفظ کر چکا تھا کہ اس کی کوئی بات اسے مکمل طور پر حیرت زدہ نہیں کر پا رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ اس کی گھبراہٹ سے جان گیا تھا کہ وہ اس ماحول میں یکسر اجنبی تھی ورنہ کسی کے تحسین بھرے جملے پر یہاں کوئی لڑکی گھبرایا نہیں کرتی تھی بلکہ

اس تعریف کو خراج تحسین سمجھنا اپنا حق گردانتی تھی اور یہ لڑکی۔

"سنیے کیا آپ جانتی ہیں' مسٹر آر کے رحمان کس قسم کے فوٹوگرافر ہیں؟"

"جی۔ جی نہیں مجھے تو وہ کالج کے ایک ڈرامہ میں دیکھ کر مجھ سے ملے تھے کہنے لگے۔ آپ کا چہرہ بہت فوٹو جینک ہے۔ میں آپ کو کیٹ واک کے لیے اپروچ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ اس سے پہلے بھی کیٹ واک کر چکی ہیں؟" اس نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ منتخب کر کے نیا سوال کیا اور سگریٹ سلگانے کی اجازت چاہی۔ گیتی فیروز نے سرہلا کر اجازت دی پھر ہونٹوں تلے جملہ روکے بیٹھی رہی۔ اس نے لائٹر سے سگریٹ جلا لیا تو بولی۔

"وہ دراصل آنیحان صاحب! میں نے آج تک کالج کے ڈراموں کے علاوہ کبھی کہیں انٹری نہیں دی۔"

"پھر اب آپ کیوں اس فیلڈ میں آنا چاہتی ہیں؟" پتا نہیں وہ اتنے استحقاق سے پہلی ہی بار ملنے پر کیونکر اس سے جواب طلب کر رہا تھا۔ وہ جس نے کبھی دنیا میں ہونے والی کسی تبدیلی پر ایک عدد ریمارک دینے کی کوشش نہیں کی جو ہے جیسا ہے بس ہو رہا ہے کہہ کر بڑے سے بڑے ہنگامے کو عام لیا تھا' آج بہت عام بات پر اپنا بہت خاص وقت برباد کرنے پر تلا ہوا تھا ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کسی اجنبی کے لیے اس طرح تجسس اور ترحم رکھنے پر مجبور ہوا ہو اور وہ بھی خاص کسی لڑکی کے لیے۔ لڑکیاں تو بہتیری ملی تھیں۔ مگر اس نے کسی کی طرف رخ نہیں کیا۔ اس کی منزل تو کہیں بہت آگے تھی بہت خاص مگر یہ عام سی لڑکی جانے کیوں اپنی طرف متوجہ کرنے اپنے لیے پریشان ہونے پر نامحسوس طریقے سے آمادہ کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور گیتی فیروز کی پلکیں بار بار کپکپانے لگتی تھیں۔ چہرے پر حیا کے رنگ قوس قزح کی طرح بکھر بکھر کر ڈوب رہے تھے اور وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ خاموش تھی' پتا

نہیں اس سے اس سوال کا جواب نہیں بن پڑ رہا تھا کہ وہ مزید ٹینس ہو گئی تھی سو اس نے پھر سے پوچھا۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ آپ اس فیلڈ میں کیوں آنا چاہتی ہیں؟"

اس نے سامنے رکھے جگ سے گلاس بھر کر ہونٹوں سے لگالیا۔ جیسے جواب کہیں حلق میں اٹک رہا ہو۔

"کیتی پلیز بتایئے ناں۔ شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔" اس نے نرمی سے کہا تو وہ روہانسی ہو گئی' کچھ لمحے رکی پھر بولی۔

"آپ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں مسٹر آنیحان؟" اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا پھر گلا کھنکھار کے بولا۔

"بظاہر چند منٹ یا چند گھنٹوں کی ملاقات کے بعد کسی کے بارے میں رائے دینا احمقانہ فعل ہے۔ لیکن مس کیتی! آپ کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے۔ آپ کسی بہت اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن پھر آپ کا مدعا سن کر حیرت ہوتی ہے کہ آپ اس فیلڈ میں کیوں آنے کی خواہشمند ہیں۔"

اور بس یہ سن کر وہ پھر سے سسکنے لگی۔ آنیحان نے جو یہ موڈ دیکھا تو اسے اٹھنے کا اشارہ کرتا باہر چلا آیا۔ وہ ڈری سہمی اس کے ہمراہ کلب کے بڑے سے گارڈن میں آرکی۔ لائٹ کا یہاں انتظام بہت اچھا تھا۔ سو وہ ایک مرمری بینچ پر آبیٹھے۔ آنیحان نے دوبارہ سوال نہیں کیا تھا۔ وہ خود بولی تھی۔

"میں ایک مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہوں مسٹر آنیحان! میرے بابا ایک اسکول ٹیچر ہیں۔ میری تین بہنیں ہیں تین بھائی اور بابا اس مہنگائی میں اس تنخواہ میں بمشکل گزارہ کرپاتے ہیں۔ شاید اگر ہماری ماں ہوتی تو وہ تنگ دستی میں بھی کم تنخواہ میں بھی کچھ نہ کچھ دائیں بائیں کرکے گزارہ کر ہی لیتی۔ سنا ہے عورت کے ہاتھ میں برکت ہوتی ہے مگر ہمارا گھر اس برکت سے محروم ہے۔ بابا اشد ضرورت کے سوا کبھی پیسہ نہیں خرچتے۔ کبھی سگریٹ پیا کرتے تھے شاید اس زمانے میں جب صرف میں ان کی واحد اولاد تھی۔

لیکن اب تو انہوں نے عرصہ ہوا یہ لت بھی چھوڑ دی ہے' انہیں خود بہت احساس ہے کہ گزارہ نہیں ہوتا۔ لیکن وہ اب عمر کے اس حصے میں ہیں کہ کسی نئی مشقت کے لیے ناموزوں ہیں بس اس لیے میں نے سوچا کہ میں ماڈلنگ کرکے بہت ڈھیر سارا پیسہ کمالوں۔"

"لیکن کیا آپ کے بابا نے اس بات کی اجازت دے دی۔" اور وہ سر جھکائے اپنی کلاس کا ساتھ دینے والی سستی سی نیل پالش سے رنگے ناخنوں سے قریب کے درخت کے پتے نوچنے لگی پھر مرے مرے لہجے میں بولی۔

"نہیں میں نے بابا سے اس کی اجازت نہیں لی۔ میں نے سوچا تھا میں جب کچھ کرلوں گی تو پھر بابا کو بتادوں گی۔"

"حالانکہ آپ پر کیا جانے والا اندھا اعتماد اس قسم کی کوتاہی کا متقاضی تو نہیں۔"

"وہ۔ دراصل بابا مجھے کبھی نوکری نہیں کرنے دے سکتے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ میں چپکے سے۔"

"جبکہ آپ اگر باشعور ہیں تو جانتی ہوں گی کہ ماڈلنگ کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو آپ کے بابا کی بصارت کی پہنچ سے بہت دور ہو۔ یہ انٹرنیٹ ایج ہے کیتی۔" وہ اسے بہت کچھ سمجھانا چاہتا تھا سو ہلکے سے انداز میں پہلی ڈوز دی۔ اس نے سنا تو آنکھوں میں آنسو بھر لائی پھر ہوک سے بولی۔

"یہ انٹرنیٹ ایج ہے تو اسے ہم سے کیا غرض ہم تو برسوں پہلے بھی دو وقت کی روٹی کے لیے دھکے کھاتے تھے۔ آج بھی ہماری تذلیل کی یہی کہانی ہے۔ دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے تو ہمیں کیا ہمارے بھوکے پیٹ تو چاند کو بھی محض روٹی کے تخیل میں بانٹ بانٹ کر خود کو بہلاتے ہیں۔ ٹی وی' انٹرنیٹ' کمپیوٹر یہ سب تو سر آپ کے دل بہلانے کے کھلونے ہیں۔ ہمیں کیا کہ ای میل زیادہ تیز رفتار ہے یا فیکس۔ ہمارے لیے تو زندگی آج بھی فوٹو اسٹیٹ مشین سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ وہی شب و روز باپ کے بعد بیٹا بیٹے کے بعد اس کا بیٹا ایک سی بھوک ایک سی حسرت میں ڈھل کر پورا

کا پورا اپنے باپ کا انلارجمنٹ بن جاتا ہے۔ ہمیں اس سے کیا کہ دنیا——"

وہ کہے گئی اور وہ بس سنے گیا۔ وہ رکی تو بولا۔

"شکوہ کرنے والے ہمیشہ بے سکون رہتے ہیں گیتی فیروز! کیا تم یہ نہیں جانتیں۔"

اس نے حسرت بھری آنکھیں جھکالیں پھر تڑپ کر بولی۔

"ساری دنیا کے پاس خود دنیا کو تسخیر کرلینے کا ہنر ہے۔ پیسہ ہے تو کیا ہمیں یہ حق بھی نہیں کہ ہم شکوہ بھی کرسکیں۔ کیا سارے اختیار ایک ملٹی ملنوز آپ فیوڈل لارڈز کو تفویض ہوئے ہیں کہ جس اختیار کو چاہیں آزمائیں۔ لفظوں سے جال بنیں اور انٹلکچوئل بن بیٹھیں۔ یہ انصاف تو نہیں کہ آپ کی ہر بات پر سنہری مہر لگی ہے اور ہماری ہر بات ہمارے نصیبوں کی طرح کالی ہے۔"

"پلیز گیتی فیروز! میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ میں کیوں امیر ہوں۔"

"ہاں جس طرح ہمارے پاس اس بات کی توجیہہ نہیں کہ ہم غریب کیوں ہیں۔ ہماری غریبی میں ہماری کسی وراثتی کمی کا دخل ہے یا امراء کی سیاست کا۔ کیا آپ اس سے انکار کرسکتے ہیں کہ اگر ہم غریب نہ ہوں تو آپ کس پر حکمرانی کریں گے۔ ہماری غربت تو آپ کی امارت کو لائم لائٹ میں لانے کا۔ ایک سنہری موقعہ ہے تاکہ لوگ جان سکیں کہ آپ کتنے رحم دل انسانیت کا درد رکھنے والے ایک عظیم انسان ہیں۔"

"تو پلیز گیتی فیروز آپ مجھے ان افراد میں شامل مت کیجئے۔ میرے لیے دولت اور امارت کی کبھی اہمیت نہیں رہی۔"

"شاید دولت کے ڈھیر پر بیٹھ کر میں بھی کبھی ایسے ہی شان تفاخر سے کہہ سکوں کہ دولت اور امارت کی میری نظر میں انسان کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں اور لوگ سنیں تو کہیں 'اس سے زیادہ انقلاب پرست اور غریب پرور ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ یہ شخص واقعی——" وہ کہے گئی۔

اور وہ اسے دیکھے گیا۔ رکی تو بولا۔

"میں جانتا ہوں' تمہارے اندر اتنی تلخی کیوں بھر گئی ہے میں نے غربت نہیں دیکھی۔ کبھی بھی نہیں لیکن ایک ایسے امیر شخص کو ضرور جانتا ہوں جو نرم گدوں پر سوتا ہے' ایک گھنٹی پر اپنی بے سروپا قسم کی ضد بھی منوا سکتا ہے' لیکن جب وہ تنہا ہوتا ہے تو کوئی نہیں ہے جو اس سے پوچھے کہ بتاؤ تم درحقیقت تنہا اس وقت ہونے پر جب واقعی تنہا ہوتے ہو یا اس وقت جب تمہارے اطراف بہت سے لوگ بکھرے ہوئے ہوں تمہارے، بہت سے اپنے لوگ——"

وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ وہ کہتے کہتے تھما پھر سے بولا۔

"درحقیقت اطمینان قلب گیتی فیروز دولت میں ہے نہ امارت میں' اطمینان کا تعلق دل سے صبر سے ہے۔ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ بھی دان نہیں کرسکتے۔ ان کے دونوں ہاتھ خالی ہوتے ہیں لیکن پھر بھی دھنوان لگتے ہیں۔ لوگ ان کی اہمیت سے انجان نہیں ہوتے۔ ان کی محبت اور ان کی ڈھارس کے ہمیشہ طلب گار ہوتے ہیں اور یہ تو طے ہے ڈھارس وہی بندھا سکتا ہے' تسلی وہی دے سکتا ہے جس کے اندر کہیں خدا رہتا ہو اور جس کے دل میں خدا رہتا ہو' وہ غریب تو نہیں ہو سکتا' غربت کھانے پینے کی کمی کو نہیں کہتے' پہننے اوڑھنے کی تنگی کو نہیں کہتے۔ بلکہ غربت انسان کے دل کی تنگ دستی' اس کے بخیل ہونے کو کہتے ہیں۔ جبران کہتا ہے۔ "جب میں نے جانا نرم وگداز بستروں پر سونے والوں کے خواب زمین پر سونے والوں کے خوابوں سے زیادہ حسین نہیں ہوتے تو مجھے قدرت کے انصاف پر یقین آگیا۔"

مگر میں کہتا ہوں زمین پر سونے والوں کے خواب ہم گداز بستروں پر سونے والوں کے خوابوں سے حد درجے حسین ہوتے ہیں اور یہ انعام ہے کہ اس نے زمین پر سونے والوں کو تخیل پرواز اور سوچنے کا زیادہ ذخیرہ دیا ہے۔ جو لوگ پاچکے ہیں وہ ان کے مقابلے میں بہت بے رنگ ہیں جنھوں نے پایا نہیں پانا چاہتے ہیں اور یہ پانے کی ہوک ہی تو ہے جو انہیں ہم سے افضل کرتی ہے۔ بقول جبران جب آپ کے ہاتھ سیم وزر

سے لبالب بھرے ہوں تو آپ دعا کے لیے کیسے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں گیتی فیروز اس نکتے کو سمجھو' اس نے تمہیں دعا کی توفیق دے کر تمہیں ہم سے بلکہ اس دنیا کی ہر شے سے افضل بنادیا ہے جو لوگ دعا کرنا جانتے ہیں' وہ مایوس نہیں ہوتے انہیں خدا قدم قدم پر ملتا ہے۔ انہیں بڑی بڑی خوشیوں میں نہیں اپنا خدا چھوٹی چھوٹی تمنا میں دکھائی دیتا ہے اور ایک اس کی سمت مل گئی۔ اس کا آسرا مل گیا تو تم کہو پھر بھی کیا تم غریب رہو گی؟ ایک اس دنیا کی قیمت پر اس کی محبت بیچ دینا کیا تمہاری محبت گوارا کرے گی۔"

گیتی فیروز کچھ نہ بولی۔ اس لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا جب اس نے اور مدھم ہو کر کہا تھا۔

"تمہارے بابا ایک باعزت شخص ہیں۔ تم اتنی رات گئے اس کلب میں کس بہانے آئی ہو۔" اس کے لب کپکپانے لگے پھر سسکی کے ساتھ لفظ پھوٹے۔

"وہ میری دوست ہے تابندہ' وہ مسٹر آر کے رحمان کی ماڈل رہ چکی ہے' اسی کے گھر جانے کا کہہ کر میں بابا سے اجازت لے کر آئی تھی۔"

"لیکن آپ کے بابا نے اس ماڈل کے ہاں جانے کی آپ کو اجازت کیسے دے دی۔"

اس نے پلکیں اٹھائیں پھر تشنگی سے بولی۔

"میرے بابا بہت سیدھے سادھے سے ہیں' سر سے لے کر پیر تک ایک محنتی باپ ہیں انہیں کبھی دنیا یا اس کے بکھیڑوں سے کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ ہمارے گھر نہ اخبار آتا ہے نہ ٹی وی ہے اور راہ چلتے کون کس کی کس انداز میں تعریف کرتا ہے۔ اس سے بابا کو کیا' بس اس لیے ہی انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا' یوں جیسے کوئی فیصلہ سننا چاہتا ہو۔

گیتی فیروز نے ایک بار دیکھا' دوبارہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں اسے دیکھنے کی تاب ہی نہ رہی۔

"میں—— میں چلتی ہوں مسٹر آنیحان! پتا نہیں مسٹر آر کے رحمان اس طرح مجھے یہاں چھوڑ کے کیوں

چلے گئے' لیکن وہ تابندہ نے وقت دیا تھا کہ ساڑھے گیارہ بجے وہ مجھے کلب کے گیٹ سے پک کرلے گی۔"

"کیا آپ یہاں تک بھی تنہا نہیں آئیں؟" حیرت دوچند ہوگئی۔ اس نے جھکا سر اور جھکالیا پھر شرمندگی سے بولی۔

"میں دراصل بہت محتاط رہی ہوں مسٹر آنیحان! کبھی کالج سے گھر اور گھر سے کالج کے دوران کوئی ایک بھی زائد قدم نہیں اٹھایا۔ میں تو اتنی ڈرپوک تھی کہ کالج کے نام پر ہمیشہ ایک خوف سا ہوتا تھا کہ شاید مردوں کا یہ جنگل مجھے نگل لے گا' لیکن بابا کا ہاتھ بٹانے کے لیے مجھے اچھی تعلیم حاصل کرنی تھی۔ سو میں نے ہمت کرکے کالج کا راستہ سمجھا اور ہمیشہ ایک سی رفتار رکھی۔ بس پتا نہیں پھر کیوں شاید یہ تابندہ کی باتوں کا اثر تھا کہ اپنی غربت کی حسرت جو میں یہاں چلی آئی نڈر بن کر۔"

وہ دیکھے گیا اس کے چہرے کی طرف' پھر نظر جھکا کر بولا۔

"میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا مس گیتی کہ گھر سے قدم نکالنے سے پہلے ایک عورت یا لڑکی کو ہر چیز سے بڑھ کر مضبوط نظر آنے کی ایکٹنگ ضرور آنی چاہیے۔ ہم مرد جانتے ہیں جو لڑکیاں بظاہر مردمار کام کیا کرتی ہیں' مردوں کے شانہ بشانہ۔ ان میں بھی ہر لمحے ایک دھڑکا ضرور رہتا ہے۔ کچھ انہونی اور ہونی کے ہوجانے کا' اور ہم مرد اسی دھڑکے سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہمیشہ جال بنا کرتے ہیں لفظوں کے' خوش رنگ وعدوں کے' اچھے مستقبل کے' بہت پیارے اخلاق کے' لیکن یہ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ہمیں کس طرح مسترد کرتی ہیں۔ یہ تو آپ جانتی ہیں نا مس گیتی جو تعلق بہت ایماندارانہ ہوتے ہیں۔ انہیں کبھی کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ وہ سڑکوں' آفسز' کمپنیز میں چلتے پھرتے طے کیے جاتے ہیں' محبت عزت کا نام ہے گیتی فیروز! اور جو شخص آپ سے واقعی محبت کرتا ہے وہ آپ کی عزت کو باعزت رتبہ دینے کے لیے خود آپ کی دہلیز تک

آئے گا' جو چیز پیچھے بھاگ کر حاصل کی جائے۔ وہ بھیک اور خیرات تو ہو سکتی ہے مس گیتی! محبت اور عزت نہیں ہو سکتی اور ہر لڑکی کو گھر سے نکلتے وقت اپنے پلو میں یہ بات باندھ کر نکلنا چاہیے۔ مجبوری میں نوکری کرنا کوئی گناہ نہیں لیکن نوکری کو شریک سفر حاصل کرنے کا آسرا بنا کر نکلنا ایک باشعور انسان کی سب سے بڑی غلطی ہے اور آپ اس سے اتفاق کریں گی کہ زندگی ایک لکڑی کا ادھ مکمل مجسمہ ہے جس پر لگایا جانے والا ہر اسٹروک ماسٹر اسٹروک کہلاتا ہے کیونکہ اس میں غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیا سمجھیں آپ۔"

"بہت کچھ۔ بہت زیادہ مسٹر آنیحان حیدر۔" اس نے چادر سنبھال کر بیگ کاندھے پر ڈالا تو وہ پیچھے چلا آیا۔

"سنیے' اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو آپ اس پتے پر ضرور آیئے گا۔ میرے تین بھتیجے ہیں جنہیں انگلش اور میتھ میں کافی دشواری پیش آ رہی ہے۔ بھیا کافی عرصے سے کوئی اچھا ٹیوٹر تلاش کر رہے ہیں اگر یہ کام آپ کر سکیں تو آپ کو معقول مشاہرہ دیا جائے گا۔ حالانکہ میری ذاتی رائے میں جن تین چیزوں کا کوئی ریٹرن نہیں دیا جا سکتا' وہ محبت' ممتا اور کسی استاد کی دی گئی تعلیم ہوتی ہے۔" لمحہ بھر کو رکا پھر سے بولا "بتایئے کیا آپ پڑھا لیں گی؟"

"جی۔ جی کیوں نہیں۔" اس نے کارڈ لے کر بیگ میں رکھ لیا۔ سنگ مرمر کے فرش پر چلتی سیڑھیاں طے کرتی باہر نکل آئی تو اس نے پارکنگ لاٹ سے اپنی کار کی طرف قدم بڑھا دیئے پھر کار کا لاک کھول کر مڑ کے بولا۔

"اگر میں آپ کی مجبوری نہ سمجھتا ہوتا تو شاید آپ کو خود گھر تک چھوڑنے کی آفر کرتا۔ لیکن ایک مشورہ ضرور دوں گا' ہو سکے تو پلیز تابندہ اور آر کے رحمان سے دوبارہ مت ملیے گا اور آج بھی ان کے ساتھ ہرگز نہیں جایئے گا۔ ویسے آپ کے گھر تک کون سی بس جاتی ہے۔"

اس نے سوچ کر اس [illegible]

کر کے اس کے ہمراہ باہر سڑک پر آ کھڑا ہوا۔ آدھ گھنٹے بعد اس کے روٹ کی بس آئی تو وہ اس کے ہمراہ بس میں سوار ہوا پھر باحفاظت اسے اسٹاپ پر اتار کر وہیں سے وہ دوسرے رکشے میں کلب لوٹا پھر گھر کا راستہ ویسے ہی سبک و شفاف تھا۔

اور دوسرا دن وہ تو اس سے بھی زیادہ شفاف و خوشگوار تھا اس نے بھابھی سے نئی ٹیوٹر کے متعلق ڈسکشن کیا تھا اور ___ انہوں نے حیرت سے اس کی کسی معاملے میں دخل اندازی کو دیکھا تھا مگر اس نے اپنے رویے سے خصوصی انداز نہیں دکھایا تھا۔ خاموشی سے اپنی روٹین کے مطابق اس کے آنے سے پہلے گھر سے چلا گیا تھا اور حیرت کی بات تھی۔ بھابھی نے پہلی بار کسی کے دیئے گئے مشورہ کو رد نہیں کیا تھا' وہ بہت تندہی سے بچوں کو پڑھانے میں لگ گئی تھی۔ پھر یہ ایک ماہ بعد کی بات تھی جب اس نے تابندہ کی اپنی بربادی کی سنائی کہانی پر موقعہ دیکھ کر بات کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر آنیحان آپ نے مجھے مسٹر آر کے رحمان کا یہ روپ' یہ رخ نہیں دکھایا تھا۔ آخر کیوں؟"

اس نے نہایت اسٹائل سے کتاب ہاتھ سے رکھ دی پھر سہولت سے بولا۔

"بظاہر میں اس غلطی کا مرتکب ہوا ہوں مگر مس گیتی! میں نے آپ کو دوستانہ مشورہ تو ضرور دیا تھا ناں کہ آپ تابندہ اور مسٹر آر کے رحمان سے تعلق نہ رکھیں۔"

"مگر یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ میں آپ کا مشورہ مان ہی لیتی۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا۔ میں اپنے دماغ کو استعمال کرتے ہوئے مسٹر آر کے رحمان کی آفر مان کر نقصان اٹھا لیتی۔ کسی سچ کو چھپا کر کسی کی غلطی سے آنکھیں موڑ لینا انسانیت تو نہیں مسٹر آنیحان۔"

"یقیناً" مس گیتی! یہ واقعی انسانیت نہیں۔ لیکن زندگی کے بارے میں میرے کچھ اپنے ضابطے اور اصول ہیں۔ پہلی بات یہ صاف کر دوں کہ آپ میرا مشورہ اگر نہ مانتیں تو؟ تو گیتی فیروز میں اگر یہ محسوس

کر لیتا تو شاید خود ہی آپ کو کوئی مشورہ نہیں دیتا۔ کیونکہ میں نے کبھی کسی کے معاملے میں غیر ضروری دخل اندازی نہیں کی۔ رہی اس کے کردار کی خامی تو مس گیتی! تنقید کو بھلے کوئی کتنے ہی اچھے معنی میں استعمال کرے لیکن میں یہ انسان کی ذاتی خامی سمجھتا ہوں۔ کیا یہ کوئی خوبی ہے کہ ہمیں ہر سامنے والے میں صرف برائی دکھائی دے سو میں نے ہمیشہ اچھائی کو زیادہ آگے بڑھایا ہے' صرف اس امید پر کہ اچھائی اور خوبی اس قدر دلکش ہو کہ آپ کو لگے کہ آپ کی خامی خود بخود آپ کے وجود سے انخلا کر لے۔ یوں تو مس گیتی الفاظ ہمیشہ وہیں استعمال کرنے چاہئیں جہاں انہیں سمجھنے کے لیے دماغ ہو اور خامی کی طرف حرف گیری صرف اس وقت کرنی چاہیے جب آپ تنہائی میں ہوں۔ اس لیے نہیں کہ آپ اپنے دوست کی پردہ پوشی کر سکیں بلکہ اس لیے کہ دوسرے لوگ اس برائی سے اپنی برائی کا جواز نہ ڈھونڈ لیں۔ سامنے کی بات ہے چوری چھپ کر کی جائے تو غلطی اور گناہ کا احساس رہتا ہے لیکن یہ حجاب اٹھ جائے تو آپ کو برائی' چوری اور اپنے کردار کی ہر خامی آپ کی شخصیت کا خراج اور حق لگتی ہے' بس اسی خیال سے میں نے کبھی کسی پر نکتہ چینی' ہرزہ سرائی نہیں کی۔ اس لیے نہیں کہ میں کوئی بہت عظیم' بااخلاق اور بلند کردار شخص ہوں بلکہ اس لیے کہ میں خود نہیں جانتا کہ جس بات یا صفت کو میں اعلا مانتا ہوں۔ تنہائی میں درحقیقت اس صفت اور خوبی پر لوگ بلند بانگ قہقہے لگا کر میرے اپنے کردار کی دھجیاں اڑاتے ہوں پھر جس کا اپنا دامن اور گریبان سلامت نہیں وہ کسی کو اپنے گریبان میں جھانکنے کا مشورہ کیونکر دے سکتا ہے۔"

"پلیز مسٹر آنیحان! یوں تو نہ کہیں آپ۔ آپ ایسے تو نہیں ہیں۔"

"ارے واہ۔ آپ ایم اے کی طالبہ ہو کر اتنی جلدی لوگوں کو جان جاتی ہیں۔ سچ بتایئے کتنے شاگرد رکھ چھوڑے آپ نے۔"

اس نے سر جھکا لیا پھر دھیما سا بولی۔

"ایک بھی نہیں مسٹر آنیحان! کیونکہ میں خود ہی ایک طالبہ ہوں اور انسان وہ شے ہے جو ساری زندگی طالب علم رہتا ہے اگر اس کو علم کا شعور ہو۔"

"مطلب جو لوگ خود کو عالم مانتے ہیں۔ وہ کون ہوتے ہیں۔"

اس نے سامنے لگی ارسطو کی تصویر کو دیکھا پھر تاثر پذیری سے بولی۔ "سامنے کی بات ہے مسٹر آئی جان! جو لوگ واقعی عالم ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ طالب علم رہتے ہیں۔ کیونکہ علم کی کوئی ایک منزل نہیں یہ ڈگری ہے نہ کسی شہر کا راستہ کہ ازبر کر لیا تو آپ کا سفر رک گیا۔ یہ تو بہنے والا سمندر ہے مسٹر آئی جان برسوں سے بہہ رہا ہے اور ہزاروں دریاؤں کا پانی ہے کہ اب تک اس کے سینے میں جذب ہو رہا ہے۔ لیکن اس کی تشنگی ہے کہ مٹتی نہیں مسٹر آئی جان! سچ پوچھیے تو اس کی یہی تشنگی تو اس کی دلکشی ہے۔ تحریک ہے۔ جس دن یہ مٹ گئی۔ زندگی بے رنگ اور منجمد ہو جائے گی۔ صدیوں پہلے کے سے انداز میں جب ایک کان پھاڑ دینے والے دھماکے کے بعد یہ دنیا وجود میں آئی تھی لیکن مسٹر آنیحان! یہ ضروری نہیں دوبارہ ایسا کوئی ردعمل ہو تو اس میں اتنا ہی توازن و ترتیب ہو۔"

"ہوں لیکن وہ اللہ سب پر قادر ہے۔ کتنی ہی بے سمتی بے ترتیبی ہو اس کی محبت کشش کی طرح ہر ذرہ کو ایک دائرے میں تیرائی رہے گی کہ یہی اس کی عظمت کی دلیل ہے اور اس کے ایک اور مالک کل ہونے کا ثبوت ہے۔" وہ رکا پھر مسکرا کر بولا۔

"مس گیتی! میں جانتا ہوں۔ آپ کے پاس فلاسفی کا مضمون بھی ہے لیکن میں صرف ایک مشورہ دوں گا۔ خدا کو کبھی فلسفے میں مت ڈھونڈیے گا۔ کیونکہ یہ ہر لمحہ تغیر پذیر ہر ساعت بدل جانے والا فلسفہ اس کی ذات کو کبھی آشکارا نہیں کر سکتا یہ فلاسفر تو خود اپنی ذات کی تشکیک میں مبتلا تھے کہ وہ ہیں بھی یا نہیں پھر جب ان کا دماغ یہ عقدہ حل نہیں کر سکا تو وہ جو دنیا سے پہلے بھی تھا۔ دنیا کے بعد بھی رہے گا وہ اس کے ہونے کی گتھی کو کیسے سلجھائیں گے۔"

کرسی کھینچ کر پیچھے کر کے اٹھا پھر مڑ کر بولا۔

"مس گیتی! آپ اس کو مان لیں گی' وہ تب بھی

رہے گا۔ نہیں مانیں گی' وہ تب بھی ہے۔ وہ ازل اور ابد کے درمیان چھپا ہوا اسرار ہے جسے صرف آپ کی محبت اور یقین ہی حل کر سکتا ہے۔ وہ محبت جو آپ کے ایک ایک نقش سے انعکاس کرتی ہے۔ جتاتی ہے کہ وہ تھا تو آپ ہیں لیکن مس گیتی! حقیقت یہ ہے کہ آپ نہیں ہوں گی۔ وہ تب بھی ہوگا بالکل اسی طرح جب اس دنیا کے نہ ہونے پر بھی سب اس کی عزت عظمت کے قائل تھے۔ ہاں بس یہ عظمت ماننے کے لیے آپ کو اس قرآن پاک کے قریب ہونا پڑے گا جس سے ہم سب دور ہیں۔"

اس نے اس کی کوتاہی جتانے کے لیے پہلے اپنی خامی بھی جتادی تو اس نے ہمت کر کے کہا۔

"یہ آپ ہر ملاقات پر مجھے اللہ اور بندے کے تعلق کو کیوں سمجھانے لگتے ہیں۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں خدانخواستہ بے دین ہو گئی ہوں۔" وہ مسکرائی پھر ٹھہر کر بولی۔

"بات یہ نہیں ہے مس گیتی! بس میری منشاء تو اتنی سی ہے کہ آپ نامساعد حالات اور فلاسفی کی جس نہج پر اللہ کو پرکھنا چاہتی ہیں۔ وہ درست رویہ نہیں۔ حالات برے ہیں تو اچھے بھی ہو سکتے ہیں لیکن ایک امید ساتھ رہے تب اور یہ امید کتابوں میں نہیں۔ دلوں میں پروان چڑھتی ہے۔ اس وقت جب آپ کو دنیا کی ہر چیز سے وہ رب اس کا دین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہو جائیں بس میں تو یہ سمت بتا رہا ہوں' ہاتھ تھام کر منزل کی طرف اس لیے نہیں لے جا سکتا کہ آپ کی طرح میں بھی ایک مسافر ہوں۔"

پشت موڑ کر وہ اسٹڈی روم کے دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا اور تب اس نے بہت تشکر بھرا سانس کھینچا تھا کیونکہ بھابھی تینوں بچوں کے ساتھ منجھلے بھیا کے دونوں بچوں کو بھی گھسیٹ کر اسٹڈی روم میں داخل ہو رہی تھیں۔ ماحول سازگار تھا لیکن اگر کچھ لمحے پہلے بھابھی نے انٹری دی ہوتی تو اس نے آہستہ آہستہ سانس باہر نکال کر ساری توجہ بچوں کی طرف لگا دی۔

♥ ♡ ♡ ♥

پھر اسے بہت عرصہ ہو گیا بچوں کو پڑھاتے۔ ٹیوشن سے ملنے والی رقم نے اس کے گھر کو کسی حد تک بدل دیا تھا بابا آنیحان حیدر سے کئی بار مل چکے تھے۔ اس لیے انہیں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کسی اور پر نہیں اپنی بیٹی پر انہیں بہت اعتبار تھا۔ سو وقت بہت آسانی سے گزر رہا تھا کہ اچانک آنیحان حیدر نے اسے پرپوز کر دیا وہ سیکنڈوں کچھ سوچ بھی نہ سکی۔ پھر جب منا چاہا تو آنیحان حیدر کو نذار دیا پایا۔ وہ اسے جواب دینے کی مہلت دے کر جا چکا تھا۔

پھر ایک ہفتے بعد اس کا سامنا ہوا تو اس نے بہت متوازن پوچھا تھا۔

"مسٹر آنیحان آپ کو میری کس خوبی نے متاثر کیا کیونکہ میں اچھی طرح جانتی ہوں میں نہ خوبصورت ہوں نہ ذہین اور نہ ہی آپ کی ہم پلہ۔"

آنیحان حیدر اسے دیکھتا رہا کتنی ہی دیر' پھر سنجیدگی سے بولا۔

"ہو سکتا ہے اس کا یہ جواب ہو۔ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے لیکن یہ بہت عام سی بات ہے۔ آج کے تیز رفتار دور میں تو بہت ہی زیادہ۔ یہاں کسی کے پاس وقت نہیں ہے مس گیتی۔ سو میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ میں نے آپ کو دن رات سوچا ہے یا مجھے آپ کے سوا اور آپ کے بعد کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ بھی جھوٹ ہوگا۔ یہ بھی نہیں کہوں گا کہ میں نے آپ سے پہلے کسی لڑکی کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ میری مراد ہے کہ شریک سفر کی نظر سے کیونکہ یہ بھی سچ نہیں ہے۔ میں نے کئی چہروں کو تولا' پرکھا ہے لیکن ان میں لچک نہیں تھی اور آپ میں جھک جانے کی اس قدر صلاحیت ہے کہ میں جیسے چاہوں آپ کو ڈھال لوں۔ میں اپنے اسٹیٹس سے کسی لڑکی کو اس لیے بھی اپنے لیے منتخب نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میں کسی بھی قسم کی ذہنی و قلبی مشقت نہیں کر سکتا اور آپ کے ساتھ میں' میرے لیے یہی سہولت ہے۔ میں آپ کو ہر آسائش دوں گا لیکن بدلے میں صرف یہ توقع رکھوں گا کہ آپ میری زندگی' میرے گھر کو' میرے ماحول کو میرے لیے ہمیشہ سازگار رکھیں گی۔

ہو سکتا ہے۔ مجھ میں یہ خواہش مردوں کی عمومی حاکمیت والی خو کا شاخسانہ ہو لیکن مس گیتی! یہ ہی میرا اصل ہے' میں چاہوں گا۔ آپ مجھے سب چیزوں سے اہم سمجھیں۔ کبھی کبھی خود اپنے آپ سے بھی اہم اور بس! فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے' آپ کلی طور پر آزادانہ رائے دے سکتی ہیں۔"

اس نے سر ہلا کر وقت لے لیا اپنی چھوٹی بہن سے رائے مانگی تو پر سوچ نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"دیکھ لو آپی! یہ فیصلہ بہت سے مضمرات رکھتا ہے۔ سب سے پہلے تو بابا ہی ری ایکٹ کریں گے۔ وہ کہیں گے آپ نوکری کی آڑ میں محبت کرتی رہی ہیں۔ پھر آنیحان بھائی کے والدین ہیں۔ وہ یہ نہیں کہیں گے کہ ہم نے عمومی غریب لوگوں کی طرح ان کے اسٹیٹس سمبل اور سرکل کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی ہائی سوسائٹی میں پہنچنے کی ایک بہت ہی عام سی حرکت جو فلموں' افسانوں اور ناولز میں اتنی بار لکھی جا چکی ہے۔ کہ اب چڑ سی ہونے لگی ہے' یعنی پاس سے محبت اور شادی آپی! میں تمہیں یہ مشورہ ہرگز نہیں دوں گی۔" اس نے تیزی سے دیکھا مگر بے بسی سے بولی۔

"لیکن راعنہ! یہ تو تم جانتی ہو کہ بات ایسی ہرگز نہیں ہے۔ میں آنیحان سے ان کی دولت کے لیے نہیں' ان کی شخصیت کی خوبصورتی کے باعث تعلق جوڑنا چاہتی ہوں۔"

"کیا درحقیقت بھی یہی بات ہے آپی" اس نے گیتی فیروز کے دونوں کاندھوں پر دباؤ ڈالا پھر سچائی سے بولی۔

"حقیقت یہ نہیں ہے آپی! جو آپ خود کو بہلا دے کی طرح جتا رہی ہیں۔ شاید اپنے اندر کی گیتی فیروز کو اس طرح سلیپنگ ڈوز دینا چاہتی ہیں ورنہ یہ ہے کہ آپ یہ پرپوزل صرف اس لیے قبول کر لینا چاہتی ہیں تاکہ آپ کی خواہشات' تمنائیں ایک ہی سانس میں پوری ہو جائیں اور اتنے سب کچھ کے لیے آپ کو صرف سر جھکا کر ہی تو رہنا ہے لیکن آپ اس وقت کو سوچیے آپی جب آپ کو یکدم کسی لمحے جھکے جھکے

سر اٹھانا پڑا تو آپ کیا واقعی اتنی غلامی کے بعد کسی آزاد ذی نفس کی طرح سر اٹھا سکیں گی۔"

اس نے کچھ نہ کہا اور یہ طے تھا کچھ کہنا بعض اوقات لایعنی باتوں کے لیے ضروری نہیں ہوتا۔ یہ تو پھر ایک کھلی حقیقت تھی کہ وہ گیتی فیروز واقعی اپنی ساری تمناؤں اور خواہشوں کو ایک ہی سانس میں پورے ہوتے دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ کوئی عظیم ہستی نہیں تھی نہ یہ زمانہ اندھی اور جنونی محبتوں کا زمانہ تھا کہ وہ کسی کردار پر مرمٹتی یہاں کردار تو دولت سے پہلے دکھائی ہی کب دیتا تھا اور جب دولت ہو تو کردار کا ہونا نہ ہونا مشروط ہی کہاں رہتا ہے' سوائے کیا کہ لوگ اس تعلق پر کس انداز میں حرف گیری کرتے لوگوں کو تو داستانیں گھڑنے میں مہارت ہے اور ان چھوٹے محلوں میں تو یوں بھی لفظ کہانی بن جاتا ہے' سو وہ شخص اس بیہودہ سی دنیا کے لیے اپنی زندگی بدلنے کے اس اہم موڑ کو کیونکر رد کر سکتی تھی' یہی وجہ تھی کہ جب آئی جان نے سرسری سا اپنے پرپوزل کے مطابق بابا سے ڈسکس کیا تو بابا کا اس کے جانے کے بعد یہی پہلا سوال تھا۔

"ہماری اور اس کی طرز زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے پھر کیا اس کے والدین اس رشتے کے لیے مان جائیں گے گیتی۔"

"پتا نہیں بابا! لیکن ضروری تو نہیں ہمیشہ ہی دو مختلف طرز معاشرت آپس میں ٹکرا جائیں۔ زندگی میں سمجھوتا بھی تو ہوتا ہے۔"

"لیکن کبھی اس سمجھوتے سے دل گھبرا گیا تو۔"

بابا کی جہاندیدہ نگاہ دور تک سوچ رہی تھی مگر اس نے مزید کچھ نہ سوچا اور یوں زبردستی اور ضد کے تحت اس کے ماما' پاپا یہ رشتہ لے کر اس کے گھر آ ہی گئے۔ بابا نے رسمی سا سوچنے کا وقت مانگا تو آئی جان کی ماما نے تمسخر سے دیکھا جائے سرو کرتی راعنہ کو تکنے لگ گئے تھے' اس انداز پر لیکن گیتی فیروز نے قطعاً "اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا' یوں بہت ڈھیر ساری دعائیں تھیں اس کے ہمراہ جب اس نے آئی جان حیدر کے پورچ میں قدم رکھا۔ ماما کا رویہ ویسے ہی سرد تھا اور پاپا

توتھے ہی مصروف باقی رہے گھر کے دوسرے افراد ان کی اپنی مصروفیتیں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسے یہاں ایڈجسٹ ہونے میں بہت زیادہ دیر نہیں لگی اور بات کہ وہ ہر روز رات کو سوتے وقت اسی دھڑکے میں رہا کرتی کہ کہیں صبح آنکھ کھلنے پر یہ ساری آسائشات اور یہ ٹھاٹ باٹ کسی جادوئی کہانی کی طرح اڑن چھو ہی نہ ہو جائیں پھر اسے ان سب باتوں پر یقین آہی گیا تو زندگی زیادہ سہل ہو گئی۔

اس گھر میں وہ بہت عام سی زندگی گزار رہی تھی ایسی زندگی جو کوئی ملازم بھی گزار سکتا تھا مگر حیرت کی بات تھی اسے یہ سب برا بھی نہیں لگتا تھا جب آئی جان اپنے ہمراہ اسے کسی دعوت میں نہیں لے کر جاتا یا دوستوں کو بلاتا تو ہال کمرے میں اس کا داخلہ ممنوع ہوتا کہ وہ اپنی بیوی کو مشرقی اقدار میں کبھی بھی کسی دوست کے سامنے نہیں لانا چاہتا تھا کیتی فیروز کو اس سارے معاملے میں کوئی غرض نہیں تھی لیکن باقی سب خود اسے دیکھنے کے لیے بے تجسس تھے اور یہ اسے تجسس اچھا لگتا تھا نہ دیکھنے میں واقعی اک خوبصورتی تھی جو دیکھ لینے سے ختم ہو جایا کرتی، سو وہ خود بھی آئی جان کی باتوں پر عمل کرتی لیکن کسی بادشاہ کی کنیز کی طرح جسے ہر صورت میں اپنے بادشاہ کا حکم ماننا ہی ہوتا تھا چاہے دل چاہے یا نہ چاہے کہ اس نے ہوش وحواس اس دولت وامارت کے عوض اپنی آزادی خودگروی رکھ دی تھی اگر دیکھا جاتا تو آئی جان سے پہلے اس کی زندگی میں کوئی شخص نہیں تھا اس لیے آئی جان کی ہمراہی وہ محبت کے زمرے میں بھی رکھ سکتی تھی کہ ایک اس نے اسے تسخیر کیا تھا اپنا لیا تھا لیکن وہ جب بھی سوچنے بیٹھتی تو شادی سے پہلے کی ملاقات یاد آجاتی اور وہ خود سے کہتی۔ "کسی خوش گمانی کا شکار مت ہو کیتی فیروز کیونکہ تم کبھی بھی اس کی پسندیدہ ہستی نہیں بن سکتیں اس نے اور تم نے ایک معاہدہ کیا تھا محبت نہیں یہ اور بات کہ کہتے وقت تم اس "ساتھ" کو محبت کی نسبت سے شہرت دیتی ہو مگر تمہارے اندر کا چور ہے جو ایسے ہر موقعہ پر کہتا ہے دولت امارت کے عوض میری ماننا میرے لیے زندگی

ماحول کو ہمیشہ سازگار رکھنا میں چاہتا ہوں تم مجھے اہم سمجھو کبھی کبھی خود اپنے آپ سے بھی زیادہ اہم، سو تم بس یہ معاہدہ نبھاری ہو اسے محبت کا نام دے کر محبت کو آلودہ مت کرو۔

اور پھر جن دنوں اس کے اندر یہ سوچیں سوا ہو گئی تھیں ان ہی دنوں اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سننے کو ملی ــــ وہ آئی جان کو چاہتی نہیں تھی لیکن اس حوالے سے آئی جان کو سوچنا اسے اچھا لگا تھا۔ یکدم دنیا خوبصورت ــــ ہو گئی تھی اور سوچ نے کروٹ کیسے بدلی تھی کہ پہلی بار اس نے آئیحان کے کاندھے سے سر ٹکا کر خلوص سے کہا تھا۔

"آئیحی! آج میں بہت دعوے سے کہہ سکتی ہوں اگر کوئی چاہے تو ایک اس خوشی کے بدلے مجھ سے سب کچھ چھین سکتا ہے۔ میرے دل میں کوئی ملال نہیں ہوگا۔ ہاں مگر اس لمحے میں چاہوں گی کہ اگر کچھ میرے حصے میں رکھا جائے تو وہ تم ہو اور یہ خوشی جس نے میری دنیا بدل دی۔"

آئیحان نے نظر بھر کر پہلی بار اس کے حسن ملیح کو دیکھا اور سوچا یہ لڑکی پہلے کبھی اتنی حسین کیوں نہ لگی تھی تو دل نے کہا۔ "تم نے پہلے اس کا چہرہ دیکھنے والوں کی طرح دیکھا ہی کب تھا۔ تم نے تو صرف ایک معاہدہ کیا تھا اور بس۔"

مگر اب یہ دل میں اچانک کیسی کیسی خواہشیں مچلنے لگی تھیں۔ دل میں ہر طرف پھول ہی پھول کیوں کھل اٹھے تھے اور اس بالکل عام سی لڑکی کو دیکھتے رہنا اتنا اچھا کیوں لگنے لگا تھا۔ وہ گھنٹوں سوچتا اور اس کی خوبصورت ممتا بھری کارروائیاں دیکھتا رہتا اس کی شاپنگز کے لیے مارا مارا اس کے ہمراہ پھرا کرتا مگر بھی وقت کی تنگی اور بندھے پھرنے کی کوفت اس میں سر نہ اٹھاتی۔ سب بہت خوبصورت لگتا تھا پھر یہ بھی ایک خوبصورت سی صبح تھی جب موسم بہار میں خوشبو کے جھونکے کی طرح اس کی زندگی میں دو خوبصورت سے وجود در آئے۔ آئیحان کی خوشی دیدنی تھی۔ پتا نہیں۔ وہ جو بچوں کی ذمہ داری سے سدا بھاگا کرتا تھا وہ اچانک اس قدر کیوں بدل گیا تھا اور کیتی فیروز تھی ایک خوشی

کے انتظار میں دو محبتیں پاکر نہال ہو ہو گئی تھی۔ زندگی یکدم بدل سی گئی تھی اور تب پوری سچائی سے اس کے گھر آنے پر آنیجان حیدر نے کہا تھا۔

"میں نے محبت کو آج تک کسی چہرے میں نہیں مانا تھا' بظاہر میں ہر تعلق میں وجہ اور غرض ڈھونڈا کرتا تھا لیکن گیتی! جس طرح تم نے مجھے محبت توجہ سے سجایا ہے' میری زندگی کو سنوارا ہے' ان بچوں کی صورت میں میری زندگی کو تابندگی دی ہے اس کے عوض آج میں برملا کہتا ہوں ہاں دنیا میں وہ لڑکی تم ہو' جس نے محبت کرنا سکھایا ہے مجھے' میں جھوٹ نہیں بولوں گا کہ تم میری زندگی کی پہلی لڑکی تھیں لیکن یہ سچ ہے کہ میری زندگی کی تم وہ آخری لڑکی ہو جس کے بعد میرے اندر محبت کی تشنگی نہیں رہی۔ آئی سویر گیتی! میں صرف تمہارا ہوں تمہارے لیے ہوں' رہوں گا ہمیشہ۔"

اور گیتی فیروز بھی سر جھکائے اس نئے تعلق پر بے آواز روئے جا رہی تھی۔ لیکن یہ آنسو تو خوشی کے آنسو تھے اور آنیجان حیدر اشائل سے دائیں ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اٹھا کر بولا تھا۔

"فار گاڈ سیک گیتی! میں آئندہ ان آنکھوں میں کوئی آنسو نہ دیکھوں نہ خوشی کا اور نہ غم کا لیکن غم تمہیں ملے ہی کیوں؟ میری دعا ہے تمہیں ہمیشہ محبت اور خوشی ہی ملے۔ گیتی تم ہمیشہ مسکراتی رہو۔ ادھر دیکھو' کیا میرا چہرہ دیکھ کر بھی تمہیں مسکرانے میں اتنی دشواری پیش آتی ہے؟"

"مطلب کیا آپ جو کر ہیں؟"

"گیتی ۔۔۔۔ !" اس نے شریر سی گیتی کی لانبی چوٹی پکڑ کر کھینچی اور وہ قہقہہ بار ہو گئی۔ دل سے نکلنے والے قہقہے میں کتنی کھنک تھی اس لمحے پتا نہیں یہ قہقہہ آنسو بھرا بہروپ لیے کیوں کھڑا تھا۔

"گیتی آہ میری گیتی"

یکدم ماضی دم لینے کو سانس لی تھی شاید اور اس نے اس لمحے کو غنیمت جان کر خرد کا دامن تھام لیا تھا لیکن ان ہاتھوں میں اب باقی کیا بچا تھا۔ کتنے ماہ و سال کتنی زندگی ۔۔۔۔ اس نے کرسی سے کھڑے ہو کر ٹیرس سے نیچے والی منزل میں دیکھا۔ اس کے بیڈ روم کی لائٹ بجھی ہوئی تھی اس کے دل کی طرح۔

"کیا ہو گا میری گیتی کا ۔۔۔۔ ؟" اس نے بالوں کو ہاتھوں میں جکڑ کر بے قراری سے خود سے پوچھا اور ٹیبل پر دھری میڈیکل رپورٹ اس کی آرزوؤں کے حسرت بننے پر قہقہہ زن تھی۔ بظاہر اس رپورٹ میں ابتدائی اسٹیج تشخیص ہوئی تھی مگر یہ کینسر یہ تو جان لیے بنا ٹلتا کب ہے اور بس یہی تو وہ چاہتا تھا کہ وہ اس پر انحصار کرنا چھوڑ کر خود زندگی کی شاہراہ پر مضبوطی سے قدم رکھنے والی بن جائے اپنا اور اپنے بچوں کا دفاع کر سکے۔

اس کے ماما' پاپا عمومی والدین کی طرح نہ سہی' لیکن پھر بھی اس سے مصروفیت بھری محبت اب بھی رکھتے تھے گو وہ سب امریکہ میں ہمیشہ کے لیے سیٹل ہو چکے تھے مگر ان کے کارڈز' خط اور فون آج بھی آتے تھے۔ گیتی فیروز والے معاملے میں ماما کے دل میں دراڑ ضرور ڈالی تھی۔ ماما پھر بھی ماں ہی رہی تھیں' سو اب بھی محبت نبھا رہی تھیں۔ بھائیوں کی اپنی زندگی اور الگ بزنس تھا اور وہ بہت نہ سہی فطری جذباتی لگاؤ بھی رکھتے تھے اس سے' مگر آنیجان حیدر جانتا تھا اگر اسے اچانک کچھ ہو جائے تو وہ جو سب کی اب تک ناپسندیدہ ہستی رہی ہے۔ ماحول میں مکمل طور پر ایڈجسٹ ہونے کے باوجود مخمل میں ٹاٹ کے پیوند کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کھڈیڑ کر دی جائے گی' پھر کسی کو کیا پروا کہ وہ کس ڈھول میں اٹی یا اس کے بچے کسی طرح پلے اسے تو اپنا یہ حق لینا ہی نہیں آتا اور آج اسے اپنی زم مزاجی پر پہلی بار غصہ آیا تھا۔ وہ جی حضوری والی خوبیاں تمغے کی طرح سجائے بس کنیز ہی بن کر رہ گئی تھی۔ اسے کوئی پروا ہی نہیں تھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ وہ جو ٹیوشن پڑھانے سے شخصیت میں ایک نکھار اور اعتماد آیا تھا۔ دس سال میں وہ بھی رفو چکر ہو گیا تھا اور اسے اس اعتماد کی ضرورت تھی جو اس کی سخت مزاجی ہی سے ممکن تھی۔ مگر یہ کار دشوار کس قدر جاں گسل تھا کہ سانسیں سینے میں رکیں کانٹی محسوس ہوتی تھیں۔

"گیتی آئی ایم ساری۔ مجھے یہ کار دشوار کرنا ہی پڑے گا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

اس نے فیصلہ کرتے ہوئے صبح کی نمودار ہوتی سپیدی کو دیکھا۔ کوٹ ہاتھ میں لٹکائے لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ اٹھائے آؤٹ ہاؤس سے باہر نکل آیا پھر متوازن قدم رکھتا راہداری سے گزرتا اپنے بیڈ روم میں آیا تو کمرہ خلاف توقع خالی نہیں تھا۔ گیتی فیروز دونوں بچوں کو تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ رات دیر تک رونے سے اس کی آنکھیں سرخ تھیں' اس نے ایک ساعت ہی دیکھا پھر سوچا۔ کاش گیتی میں تمہیں بتا سکتا کہ میری آنکھیں تم سے زیادہ تمہارے تعلق کو روئی ہیں۔ اس ہجر سے تڑپی ہیں جو کبھی نہ کبھی میری زندگی میں ضرور آئے گا۔ زندگی تو کسی کی پائیدار نہیں لیکن کیا ہوتا جو میں ہزاروں لوگوں میں سے ایک ہوتا ایک ایسا شخص جسے اپنی موت سے بے خبری ہوتی' گیتی! آگہی بہت بڑا عذاب ہے لیکن یہ میں تم سے نہیں کہہ سکتا۔"

اس نے آہستگی سے کوٹ صوفے پر ڈالا۔ لائٹر اور سگریٹ کا پیکٹ ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخا پھر بیڈ پر بیٹھ کر سرسری بولا۔

"کیا تم کہیں جا رہی ہو؟" گیتی فیروز نے جواب دینے کے بجائے نمیر کے بالوں میں تیزی سے برش کرنا شروع کر دیا' تبھی نمیر چلایا۔

"ماما! آہستہ کریں' بال دکھتے ہیں۔"

"تمہارے بال بالکل تمہاری طرح ہیں' کسی طرح نہیں بیٹھتے' چپ کر کے کنگھی کرواؤ۔"

نمیر نے سر جھکا لیا اور تدمیر اس کے کاندھے سے آ لگا۔

"کوئی مشکل بابا۔"

"نہیں تدمیر ۔۔۔۔" اس نے ہولے سے کہہ کر اس کے بال سنوارے۔ وہ گود میں بیٹھ گیا بظاہر سات برس کا تھا لیکن ابھی تک دونوں بچے بہت لاابالی تھے۔ ماں اور باپ دونوں کے بے تحاشا پیار نے انہیں کسی کام کا نہیں چھوڑا تھا۔

"بابا! مجھے لگتا ہے کوئی پرابلم ہے آپ کو ۔۔۔۔"

اسے مسلسل اپنی طرف دیکھتا پا کر تدمیر نے پھر سے جہاندیدگی دکھائی تو اسے اپنا بچپن یاد آ گیا۔ اس عمر میں وہ کتنا تیز و طرار ہوا کرتا تھا مگر یہ بچے اپنی ماں کی طرح سیدھے تھے۔

"آج بات کیا ہے بابا! آپ بہت چپ چپ ہو۔"

نمیر تیار ہو کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے سوال کرنے لگا تو وہ اٹھ کر گیتی فیروز کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"گیتی! تم کیا کہیں جا رہی ہو؟"

"جی میں ابا کے گھر جاؤں گی۔" لہجہ سخت ہوتے ہوتے بھی نرم پڑ گیا تو اس نے پھر سے غصہ کو مہمیز کرنے کے لیے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"ابا کے گھر تم پندرہ دن پہلے ہی تو گئی تھیں۔ یہ پھر سے کیا سوجھی۔" اس نے موڈ دیکھا تو بچوں کو باہر ناشتے کے لیے بھیج دیا پھر تلخی سے بولی۔

"یہ آپ کا یکدم پارہ کیوں ہائی ہو گیا ہے۔ آخر آپ کو میری ہر بات اتنی بری کیوں لگنے لگی ہے؟"

"محض اس لیے کہ اب میں اکتا گیا ہوں تم سے۔"

"آنیجی ۔ یہ آپ ۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

اس نے رونے کے لیے اسٹارٹ لیا ہی تھا کہ اس نے تنفر سے ہاتھ کے اشارے سے روکا آنسو بہتے دیکھے تو اس پر چڑھ دوڑا۔

"گیتی! مجھے نفرت ہے عورتوں کے آنسوؤں سے۔ آخر تم اپنی مڈل کلاس سے کب نکلو گی جہاں عورتوں کے پاس مردوں کو رام کرنے کا ایک ہی حربہ ہے۔"

"کیا صرف مڈل کلاس میں آنسو بہانے کا رواج ہے آنیجی کیا یہ درست تجزیہ ہے۔"

وہ دس برس پیشتر والی گیتی فیروز بن کر جواب طلب کرنے لگی تو اس نے اطمینان سے اسے دیکھا۔ کیا یہ کم تھا کہ دس برس پہلے والی گیتی فیروز زندہ تھی' ہاں بس کچھ کسلمندی سے آنکھیں موندے پڑی تھی اور اسے اٹھانے کے لیے بہت زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی اسے۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے آنیجی! کیا واقعی آنسو ہم مڈل کلاس کا چیپ حربہ ہے۔ کیا آنسوؤں پر بھی لیبل

لگ چکے ہیں۔ غریب کے آنسو' امیر کے آنسو۔ کیا دکھ ظاہر کرنے کے لیے امیر کی آنکھوں سے ہیرے کی کنیاں ٹپکتی ہیں۔ کیا امراء کی بیگمات کبھی نہیں روتیں۔"

وہ جانتا تھا اس کا استدلال درست ہے لیکن پھر بھی مخالفت کو ہوا دینے کو بولا۔

"ہاں امراء کی بیگمات کبھی نہیں روتیں۔ کیونکہ ان کے پاس زندگی انجوائے کرنے کے بہت سے ذرائع ہوتے ہیں۔ وہ دولت سے جو چاہیں خرید سکتی ہیں۔ غرباء اور مڈل کلاسیوں کی طرح انہیں اپنی آرزوؤں کے پورا نہ ہونے پر کلسنا اور رونا نہیں پڑتا۔"

"آنیجی! کیا واقعی دولت سے سب کچھ خریدا جاسکتا ہے۔" اس نے سوالیہ دیکھا دل نے چاہا کہے۔

"تم ٹھیک کہتی ہو گیتی فیروز! دولت سے واقعی محبت توجہ نہیں خریدی جاسکتی۔ تمہاری تسکین بھری قربت بھی نہیں خریدی جاسکتی جس طرح دولت بے جان ہے صرف کاغذی سو اس سے بے جان بے رنگ چیزیں ہی حاصل کی جاسکتی ہیں جن سے آپ کا ڈرائنگ روم' بیڈ روم سج سکتا ہے لیکن آپ کا دل ویران ہی رہتا ہے۔"

"آنیجی پلیز بتائیے ناں' کیا واقعی دولت سے سب کچھ خریدا جاسکتا ہے؟"

آنیحان نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر سختی سے بولا۔ "ہاں دولت سے سب کچھ خریدا جاسکتا ہے۔ ہر چیز کی قیمت مقرر ہے دنیا میں یہاں تک کہ انسان بھی مہنگا نہیں اگر آپ کی جیب بھری ہوئی ہو۔"

گیتی فیروز بس سکتے کی کیفیت میں اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ مگر وہ سب کہہ کر رکا نہیں تھا۔ تیزی سے کمرے سے نکلتا ہوا لاؤنج میں چلا گیا تھا۔ اس کی لبالب بھری آنکھوں کا سامنا کرنا اس کے بس میں کب تھا سو' صوفے پر دراز ہو کر وہ ان آنکھوں سے بچنے کی سعی میں لگ گیا۔ یہ اور بات کہ آدھے گھنٹے بعد وہ لاؤنج کے دروازے پر پھر سے آ جمی تھی۔

"آنیجی! مجھے بابا کے گھر چھوڑ آئیے پلیز۔" اس نے گردن موڑ کر دیکھا' کی رنگ جیب میں پڑی تھی لیکن اس نے چابی نکال کر ٹیبل پر پٹختنے کے سے انداز میں پھینکی پھر سنجیدگی سے بولا۔

"ڈرائیور سے کہو' وہ لے جائے گا تمہیں۔"

"لیکن آج تک میں نے بابا کے گھر آپ کے بغیر قدم نہیں رکھا۔"

"ہاں' لیکن اب تمہیں یہ کار دشوار ہمیشہ کرنا پڑے گا۔ کیونکہ میں آج کل بہت زیادہ عدیم الفرصت ہوں۔ دوسری بات تم عمومی انداز میں نہیں آج جھگڑ کر جا رہی ہو' اس لیے تمہیں تنہا ہی جانا چاہیے تاکہ انہیں پتا چلے کہ ان کی بیٹی یکدم ملنے والی امارت سے کس قدر بدحواس ہو گئی ہے۔"

"آنیجی! یہ طعنہ ہے محض طعنہ ورنہ میں نے نہ پہلے آپ سے جھگڑا کیا تھا نہ اب کر رہی ہوں۔ میں تو بس اتنا چاہتی تھی کہ اگر آپ کو میری صورت سے چڑ ہونے لگی ہے تو میں کچھ دن دور رہ لوں تاکہ ماحول پھر سے پہلا جیسا ہو جائے۔"

"با ماحول اور پہلے جیسا۔ قطعاً" نہیں اب یہ موسم یونہی رہے گا۔ تمہیں رہنا ہے تو اسی ماحول میں ایڈجسٹ ہونا پڑے گا۔ میں تمہارے لیے خود کو نہیں بدل سکتا۔"

گیتی فیروز دہلیز چھوڑ کر اندر چلی آئی پھر کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"آنیجی! ہم کبھی بہت اچھے دوست بھی رہے ہیں ناں پلیز کیا آپ پھر بھی نہیں بتائیں گے کہ آپ کا رویہ اس قدر کیوں بدل گیا ہے؟

"آنیجی کیا کوئی دوسری لڑکی آ گئی ہے ہمارے درمیان؟" آنیحان نے نظریں جھکائے رکھیں اور دل بے سبب کرلایا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ تمہارے ہوتے مجھے کوئی اور تسخیر کر سکتا ہے' تمہیں یہ گمان ہی کیوں ہوا؟ مگر وہ سر اٹھا کر بولا تو دل کے اتنے مخالف بولا کہ خود حیرت ہوئی اسے ایک لمحے' کیا واقعی وہ اتنی صفائی سے جھوٹ بول سکتا ہے۔ گیتی فیروز کتنی دیر تک اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی پھر روتی ہوئی باہر کی طرف بھاگتی چلی گئی۔ پورٹیکو میں پہنچ کر چلائی۔

"نمیرا نمیرا جلدی آؤ بیٹا! دیر ہو رہی ہے۔" ڈرائیور نے دروازہ کھولا مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں عظمت اللہ! ہم ٹیکسی میں جائیں گے۔ تم جلدی سے ہمیں ٹیکسی لا دو۔"

دوسرا ملازم دونوں بچوں کے ساتھ بڑا سا سوٹ کیس لا کر رکھ چکا تھا۔ شوفر تحیر زدہ سا ٹیکسی لینے باہر جا چکا تھا۔ پھر پندرہ منٹ بعد ہی وہ روتی روتی آنکھوں سے اپنے گھر کو جانے والے راستے کو یاد کر رہی تھی۔ راستہ پہلے کس قدر پھولوں بھرا تھا۔ لیکن اب یکدم ہی کتنے خار اگ آئے تھے اس راستے میں۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا' دونوں بچوں کو کھینچ کر قریب کر لیا پھر کہیں طویل مسافت کے بعد اس کا چھوٹا سا گھر اس کے سامنے آیا۔ بظاہر یہ آدھ گھنٹے کی مسافت ایک صدی سے بڑی لگ رہی تھی۔ وہ سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی گھر کے سامنے آ رکی۔ دستک دینے سے پہلے ماحول اور سوالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمت پیدا کرتی رہی پھر دستک دینے لگی۔ دروازہ عامر نے کھولا تھا۔

"ارے اپیا آپ....." وہ سوٹ کیس اندر لے جاتے ہوئے بولا۔

"خیریت آپی! یہ آنیحان بھائی کیوں نہیں آئے؟"

"وہ ماموں! پاپا مصروف تھے۔" نمیر نے اسے جواب دینے کی تکلیف سے بچایا مگر عامر سے یہ سب ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اس کی آنکھوں میں الجھن دیکھی تو اگلا سوال کرنے سے پہلے ہی تیزی سے بولی۔

"بابا' راعنہ' ثمینہ وغیرہ یہ سب کہاں ہیں عامر؟" چادر اتار کر اس نے تخت پر رکھ دی۔ عامر وہیں بیٹھ گیا پھر آہستگی سے بولا۔

"بابا خالہ جمیلہ کے ہاں گئے ہیں اپیا! جمال کی منگنی ہو رہی ہے ناں آج اس لیے وہ سب وہیں گئے ہیں۔ میں اس لیے نہیں گیا کہ مجھے پتا تھا۔ آپ آئیں گی۔"

"ہوں کس نے بتایا تمہیں؟" کہتے کہتے رک کر اس کی شرارت بھری نظریں مارک کر کے مسکرانے لگی۔

"شریر ہو گئے ہو بہت۔" چپت لگا کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جو بابا نے پیسہ پیسہ جوڑ کر صرف اس کے لیے بنایا تھا تاکہ کبھی جو اسے یہاں ٹھہرنا پڑے تو اسے پریشانی نہ ہو۔

کپڑے الماری میں رکھ کر وہ چارپائی پر آ بیٹھی۔ دونوں بچے عامر کے ساتھ باہر چلے گئے تھے' وہ اس لمحے بالکل تنہا تھی سو سوچنے کو بہت کچھ تھا۔ آج سے پہلے اس نے اس انداز میں سوچا ہی نہیں تھا کہ آنیحان اگر اس سے یکدم کبھی بدل گیا تو اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ نمیر اور تذمیر کے بعد تو یوں بھی اس نے اس خیال کو رد کر دیا تھا پھر خود آنیحان کی ایمانداری' وفاداری اتنی پکی تھی کہ اس کو کبھی یہ خیال ہی نہیں آسکا کہ کبھی زندگی یہ رخ بھی بدل سکتی ہے۔ سو اب زندگی کو اس قدر بدلے ہوئے روپ میں دیکھا تھا تو بے ساختہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو رہی تھی۔ آج کے زمانے کے حساب سے تعلیمی قابلیت بس واجبی سی تھی۔ ایم اے کے بعد اس نے کبھی پڑھائی کی طرف سنجیدگی سے دیکھا ہی نہیں تھا لیکن اب بہت کچھ دیکھنا تھا اسے۔

سوچنے کو موقوف کر کے اس نے اعصاب ڈھیلے چھوڑ کر خود کو بستر پر گرا لیا' پھر شام گئے بابا سمیت وہ سب لوٹے تو نوید' ثمینہ' راعنہ سمیت بابا کا بھی وہی سوال تھا جو عامر نے گھر میں داخلے کے فوراً بعد اس سے کیا تھا۔ اس نے سنا تو بے بسی سے بولی۔

"کیا بابا مجھے اپنے گھر میں آنے کے لیے بھی وجہ کی ضرورت ہوگی اب؟"

اس کا خیال تھا بابا نفی میں سر ہلائیں گے' لیکن بابا نے تیز بین نظروں سے اسے حصار میں لے کر بہت مختلف جواب دیا تھا۔

"ہاں تمہیں اس گھر میں آنے کے لیے وجہ کی ضرورت ہوگی' رہے گی ہمیشہ' کیونکہ یہ گھر تمہارا نہیں ہے۔ اب تمہارا اصل گھر آنیحان کا گھر ہے۔ یہ تمہارے لیے اب قصہ پارینہ ہے گیتی ہاں اگر

آنیحان کے ساتھ آؤ تو اور بات ہے۔"
"لیکن آنیحان نے آنے سے خود انکار کیا تھا بابا۔" باقی سب بابا کے کہنے پر جا چکے تھے سو وہ اپنا مقدمہ لڑنے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی بابا نے وجہ ہی تو تڑپ کے بولے۔
"اگر اس نے آنے سے انکار کیا تھا تو تم نے وجہ کیوں نہیں پوچھی؟ تم نے اپنا ارادہ کیوں نہ بدل لیا۔ شوہر کی مرضی سے بڑھ کر تو نہیں ہے باپ سے ملنے کی تمنا۔"
"بابا! آپ۔ آپ بھی آنیحی کا ساتھ دے رہے ہیں۔"
"ہاں اس لیے کہ میں اس وقت تمہارا باپ ہی نہیں ماں بھی ہوں اور ان دورتیوں سے میرے کاندھے بہت زیادہ جھک گئے ہیں۔ گیتی! بیٹیاں صرف اپنے گھر میں بسی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔ اپنے شوہروں کے سنگ ہی جچتی ہیں ورنہ دنیا بڑی ظالم ہے۔"
"لیکن بابا! آنیحی کی نظر میں جب میرا کوئی رنگ ہی نہیں بچا تو کیا پھر بھی مجھے انہیں اتنی ہی محبت سے دیکھنا فرض ہے۔"
بابا نے ٹھنڈی سانس بھری "ہاں! تمہیں پھر بھی اسے محبت کی نظر سے دیکھنا فرض ہے کیونکہ یہی تمہاری ذات کی اچھائی اور میری تربیت کا کمال ہوگا' گیتی! جب شوہر کے لیے کچھ دوسرے حوالے اہم ہو جائیں تو سمجھ دار بیویاں اپنی جائے پناہ کبھی نہیں چھوڑتیں۔ کیونکہ اپنے گھر کے سوا انہیں کہیں پناہ نہیں اور جگہ خالی چھوڑ دی جائے تو اسے کسی اور وجود سے پر کرلینا مرد ذات کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا گیتی! انسان کو میدان میں اپنے حق کے لیے ڈٹ جانا چاہیے۔ زعم' غصے یا بزدلی سے میدان سے بھاگ جانے والے لوگ بے وقوف کہلاتے ہیں' جن سے وقت' زندگی' کسی کو ہمدردی نہیں ہوتی۔"
گیتی فروز کچھ نہ بولی' خاموشی سے سرہلا کر دوسرے دن لوٹ جانے کا عندیہ دیتی اپنے کمرے میں اٹھ آئی اور وقت بیتتا رہا۔

——*

آنیحان سامنے کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ٹیرس سے لگا شخص اسے بے یقینی سے دیکھے جا رہا تھا۔
"تو یہ سب واقعی سچ ہے۔" اس نے خاموشی کو بدقت توڑتے ہوئے سوالیہ اسے دیکھا۔ آنیحان نے خالی آنکھوں سے اثبات میں سرہلایا تو وہ تڑپ کر قریب چلا آیا پھر دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کے بولا۔
"آنیحی! تم اس قدر اداس کیوں ہو؟ دیکھو تو یہ رپورٹس تو صرف ابھی ابتدائی اسٹیج ہی ظاہر کر رہی ہیں ناں اور یہ اللہ کا احسان نہیں ہے کہ اس نے بات بگڑ جانے سے پہلے اطلاعی الارم بجادیا۔ تم جوان ہو' مضبوط اسٹمینا کے مالک ہو پھر کیوں یقین نہیں کرلیتے کہ یہ معمولی سی بیماری تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"
آنیحان خاموش رہا۔ کتنی ساعتیں یونہی گزر گئیں۔ تب اس نے لائٹر سے کھیلتے ہوئے کہا۔
"مجھے اس میں معمولی سا بھی شک نہیں کہ اس رب کی رحمتیں اور مجھ سے وابستہ محبتیں میری طاقت ہیں۔ مجھے اس پر بھی یقین ہے کہ میں اس بیماری کو شکست دے دوں گا کیونکہ میں جانتا ہوں اس رب کو میری بھلائی ہی مقصود تھی جو ابتدا ہی میں اس نے مجھے آگہی دی مگر۔" وہ کہتے کہتے رکا تو وہ بالکل سامنے آ بیٹھا۔
"ہاں بولو کیا مگر......؟"
"مگر ایشم میں باہر جانے سے پہلے چاہتا ہوں۔ گیتی فیروز کو مضبوط کر جاؤں۔ وقت کا کچھ پتا تو نہیں ہوتا ناں ایشم کہ اس کے دامن میں ہمارے لیے اگلا کون سا تیر چھپا رکھا ہے۔ اس وقت معمولی سی ٹریٹمنٹ سے میں جانتا ہوں۔ یہ بیماری کا مستقل حل نہیں ہے۔ کسی بھی لمحے یہ زیادہ زور آور حریف کی طرح مجھ پر حملہ آور ہو سکتی ہے۔ ایسے کہ میں کچھ بھی نہیں کر پاؤں گا۔ بس میں اس لیے چاہتا ہوں' مستقبل کے کسی اچانک تبدیل شدہ منظر نامے میں گیتی مظلوم کردار کی طرح صرف آہ نہ بن جائے بلکہ اسے حالات سے مقابلہ کرنا آنا چاہیے ہے۔ کہ نہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' لیکن اس میں دیر نہیں ہو جائے گی؟ موڈ اور فطرت اتنی جلدی تو نہیں بدلے جاسکتے اور دیر ہوگئی تو تمہارا معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔"

"ہاں' مگر یہ زیادہ ضروری ہے اور پھر میں مسلسل ڈاکٹر فریڈرک سے رابطے میں تو ہوں۔ اللہ مالک ہے۔"

"اوکے پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہاں بس یہ کوشش میں ضرور کروں گا کہ بات ان کی سمجھ میں مہینوں میں نہیں ہفتوں میں آجائے۔ ٹھیک ہے۔ چلوں گا اب۔"

"اوکے چلو' میں تمہیں باہر تک چھوڑ آؤں۔"

"ہونہہ فارمیلٹی چھوڑو۔ مجھے باہر کا راستہ معلوم ہے۔" اس نے زبردستی کرسی پر اسے دھکیل کر زینے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ آنیحان ٹیرس کی ریلنگ سے آن لگا اس وقت بظاہر وہ کچھ سوچ رہا تھا' لیکن آنکھوں میں خالی پن پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گیا تھا پھر یہ دوسری صبح بھی جب بابا ٹیوشن سینٹر جانے پہلے بچوں سمیت گیتی فیروز کو گھر چھوڑنے آئے۔

مگر اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ عزت سے انہیں اندر بٹھا کر خاطرداری کی مگر آشنائی سے انہیں دیکھا نہیں۔ بابا نے یہ انداز دیکھے تو چلتے چلتے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"میں نے تو بہت پہلے کہا تھا آنیحان! ہمارے اور تمہارے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم بہت جلد اس مڈل کلاس لڑکی سے اکتا جاؤ گے لیکن تم نے ضد پکڑلی تو میں بھی اپنا فیصلہ خدا پر چھوڑ کر تمہاری رضا میں راضی ہوگیا پھر تم نے اپنے سلوک سے ثابت کیا کہ میرے خدشات غلط تھے۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند بدنما نہیں دکھائی دیتا تھا لیکن اب اگر تمہیں یہ بدنمائی بہت بری لگنے لگی ہے تو میں صرف اتنا ہی کہوں گا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے بچوں کا خیال ضرور کرلینا۔ تم جو رویہ رکھو۔ گیتی تم سے احتجاج نہیں کرے گی مگر آنیحان کبھی اس سے یہ سائبان مت چھیننا' میں اچھا چلتا ہوں۔"

بابا چلے گئے مگر وہ انہیں گیٹ تک چھوڑنے کے لیے بھی نہ اٹھا گیتی فیروز کو اپنی بے حد ہتک محسوس ہوئی لیکن وہ خاموش ہی رہی۔

پھر یہ ایک ہفتے کے بعد کی بات تھی جب بچوں کی شاپنگ کے لیے پیسے مانگنے پر اس نے اسے طویل ترین لیکچر سنایا تھا کہ دولت' روپیہ درختوں پر نہیں اگتا کہ توڑ توڑ کر لایا جاسکتے اس کے لیے دماغ کھپانا پڑتا ہے تب اس کی فضول ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

گیتی فیروز اس سارے ہنگامے میں چپ رہی تھی لیکن کچھ خود کرنے کے لیے دل اکسانا شروع ہوگیا تھا پھر پے در پے آنیحان کی بے زاری اور پیسے کے معاملے میں ہاتھ کھینچ لینے نے اسے مکمل طور پر مقابلے پر لا کھڑا کیا اس نے پہلی بار اپنی کالج کے زمانے کی دوست سے رہنمائی چاہی۔ نیہاں فرید اس کی بچپن کی دوست بھی اور چھوٹا سا بوتیک چلا رہی تھی اس نے حالات سنے تو اسے اپنا کام کرنے کی آفر کی یوں وہ گھر سے باہر اکثر وقت نیہاں فرید کے انڈسٹریل ہوم میں گزارنے لگی کبھی کبھی بوتیک میں بھی بیٹھ جایا کرتی اور اس سے کچھ ہوتا یا نہ ہوتا اس کی ہمت ضرور بڑھتی رہتی گھر سے باہر نکلنے کا خوف جو اعصاب پر سوار تھا' وہ اب کم ہونے لگا تھا کہ یکدم آنیحان نے طنز ایک اور تیر چھوڑا۔ اس کی کاوش پر قہقہہ بار ہوکر بولا۔

"بیگمات کی طرح کار میں کہیں آنے جانے سے تم ان کی برابری نہیں کرنے لگی ہو گیتی! مزا تو تب ہے جب تمہارے پاس اپنی کمائی سے حاصل کی ہوئی کوئی گاڑی ہو' تمہیں بسوں میں دھکے کھانے پڑیں تو تمہیں پتا چلے پیٹرول کتنا مہنگا ہوگیا ہے۔"

اور اس دن اس نے پہلی اور آخری دفعہ اس کی نسان کو دیکھا اور بس کے سفر کے لیے خود کو تیار کرنے لگی عادت پرانی ہوچکی تھی۔ سو ہولق پن در آیا مگر وہ خود کو ہمت دلاتی چلی گئی۔ راہ چلتے کس قدر رکیک جملوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کتنی ہی نازیبا نظروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر وہ گھبرائی نہیں ڈٹی رہی اور محض دو مہینے کی قلیل مدت میں نیہاں فرید کی ہمراہی میں بہت آگے چلی آئی پھر اخبار میں چھوٹی اور گھریلو صنعتوں

کے قرضے کی اسکیم کا علم ہوا تو وہ فارم فل کر کے بینک جا پہنچیں لیکن فارم پہلی کھڑکی سے ہی لوٹا دیا گیا۔

"یہاں کا انچارج کون ہے؟"

جی کڑا کر کے پوچھا جانتی تھی اگر یہ کام آنیحان سے کہا جاتا تو منٹوں میں قرضہ اوکے ہوسکتا تھا لیکن اصل مسئلہ یہی تھا کہ اس نے جو کچھ کرنا تھا اب خود ہی کرنا تھا سو بدقت انچارج سے ملی وہ پہلے سے میٹنگ میں مصروف تھے ایک لمحے کو دو مردوں کو دیکھ کر اس کا حلق خشک ہوا مگر اس نے اس معاشرے میں جینا تھا۔ اس لیے دھڑلے سے اپنا موقف بیان کرنے کے لیے لفظ ڈھونڈنے لگی۔ نیہاں نے اسے ہمت کی کمک پہنچائی وہ اپنا مقدمہ پیش کرنے لگی۔ سامنے کی کرسی پر بیٹھا ہوا شخص اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ تب انچارج نے تاسف سے سر ہلا کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے محترمہ! میں آپ کے جذبے کی قدر ضرور کرسکتا ہوں لیکن اتنی معمولی سی سیکورٹی پر آپ کو اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتا۔"

وہ مایوس ہونے لگی ہی تھی کہ سامنے بیٹھے شخص نے درمیان میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا۔

"مسٹر ہمدانی! میرا اور ان خاتون کا ایک ہی شعبہ ہے اگر آپ ہم دونوں کی پارٹنرشپ پر یہ قرضہ سینکشن کر سکیں تو میرے خیال میں میری پراپرٹی اتنی معمولی تو نہیں ہے۔"

انچارج نے مسکرا کر دیکھا پھر ہنس کر بولا۔

"کیسی باتیں کررہے ہیں مسٹر ایشم! آپ ہمارے لیے کوئی غیر تو نہیں۔ کون نہیں جانتا آپ کتنے اصول کے پکے اور سچے انسان ہیں۔ آپ نے کبھی ہمیں قرضہ لوٹانے میں لیت و لعل سے کام نہیں لیا پھر ہم کیسے آپ کی آفر ٹھکرا سکتے ہیں لیکن بہرحال آپ ان محترمات سے پوچھ لیں۔ یہ کیا چاہیں گی۔"

نیہاں فرید نے گیتی فروز کی طرف دیکھا نظروں نظروں میں فیصلہ کیا اور مسٹر ایشم کے ساتھ باہر آگئیں پھر ان کی کار میں بیٹھیں تو دونوں کی جان ہراساں بھی تھی یہ سو فیصد رسکی کام تھا۔ وہ اس شخص کو بالکل بھی نہیں جانتی تھیں لیکن کمزوری دکھانے سے اپنا ہی معاملہ بگڑنا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے بیٹھی رہیں ایشم جان جان کر انہیں مخاطب کرتا رہا پھر دفتر کے سامنے اترے تو دونوں نے جتنی آیتیں یاد کر رکھی تھیں اپنے اوپر پھونک کر قدم آگے بڑھائے اور گیتی فیروز کے دل میں اس وقت وہی دشمن جاں گونجا تھا جس نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا تھا مسٹر ایشم کی نظریں اس کے وجود پر تھیں اور آنیحان حیدر گونج رہا تھا۔

"میرا ایک مشورہ ہے مس گیتی گھر سے باہر قدم نکالنے والی ہر عورت اور لڑکی کو مضبوط نظر آنے کی ایکٹنگ ضرور آنی چاہیے۔"

"پلیز مس گیتی دستخط کیجیے۔"

نیہاں فرید نے پیپر اس کی طرف بڑھائے تو اس نے نیہاں کی طرح خوشی میں کاغذات پڑھے بغیر دستخط کرنے کی حماقت نہیں کی مسٹر ایشم نے انداز دیکھا تو تحسین سے بولا۔

"بہت بہترین رویہ ہے یہ' زندگی کی بابت کبھی بھی کوئی بھی ایک بے سوچا سمجھا دستخط آپ کو عرش سے فرش پر پہنچا سکتا ہے مس گیتی اور مجھے خوشی ہے کہ آپ زندگی پر اس کے رویوں پر کافی عبور رکھتی ہیں۔"

اس نے جواباً کچھ نہ کہا لیکن دستخط کرتے وقت خاص مسز گیتی فیروز لکھ کر اسٹائل سے مسٹر ایشم کو دیکھا تو وہ مسکرانے لگا۔ خفت زدہ سی مسکراہٹ۔

"مجھے افسوس ہے مسز گیتی میں نے آپ کی فننس سے غلط اندازے لگائے۔"

"کوئی بات نہیں مسٹر ایشم ضروری نہیں انسان کے سارے ہی اندازے درست ہوں ویسے میں کام کو زیادہ ترجیح دیا کرتی ہوں۔"

ایگریمنٹ فائل کی ٹوکاپی اٹھائے وہ نیہاں فرید کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تو ایشم کے دروازہ کھولتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔

"آپ کل بینک آجایئے گا مسز گیتی آپ کا قرضہ منظور ہوجائے گا۔ بینک سے ہی کل ہم فیکٹری چلیں گے۔ آپ وہاں میرے کام کرنے کے انداز کو دیکھیے گا وہیں سے میں آپ کو کپڑا دلوا دوں گا' دراصل اس کام

کے لیے میں اپنا کپڑا خود تیار کرواتا ہوں۔ آپ تو جانتی ہوں گی میرا مال باہر بھی جاتا ہے اس لیے اس کی کوالٹی چیک پر میرا خاص دھیان رہتا ہے معمولی سی بھول چوک میری ساکھ بھی تباہ کر سکتی ہے آپ سمجھ رہی ہیں مسز گیتی۔"

گیتی نے سر ہلایا اور پنہاں کو گھر چھوڑتی ہوئی ٹیکسی میں گھر لوٹ آئی تھکن سے چور بیڈ روم میں پہنچی تو حیران رہ گئی سارا کمرہ سرخ گلابوں کے گلدستوں سے بھرا ہوا تھا پھر وہ تحیر زدہ سی کھڑی تھی جب بہت اچانک آنیحان حیدر نے تہنیتی کارڈ سمیت ایک بڑا بکے اس کی طرف بڑھایا مسکرا کر بولا۔

"پہلی کامیابی مبارک ہو گیتی! مجھے یقین ہے یہ راستہ اب صرف تمہیں کامیابی کی منزل تک پہنچا کر ہی دم لے گا کیونکہ اس راستے پر قدم رکھنے سے پہلے تم نے ہمت حوصلے کو اپنا عزم اور بہادری کو اپنا ہم رکاب رکھا ہے۔"

"میں! میں کچھ سمجھی نہیں آنیحی۔" لہجہ سخت نہیں تھا تو محبت بھرا بھی نہیں تھا سو آنیحان حیدر بالکل قریب چلا آیا اسے کاندھوں سے تھام کر بولا۔

"میری مبارک باد تمہارے لون سینکشن ہونے کی خوشخبری کی —— ہے ایشم بظاہر میرا دوست سہی لیکن وہ بہت کامیاب بزنس مین ہے تم اس کے ساتھ بہت مالی منفعت میں رہو گی۔"

"لیکن مجھے آپ کی کسی ڈکٹیشن کی تو ضرورت نہیں رہی ہے اب میں اپنا اچھا برا خوب سمجھنے لگی ہوں۔" اس کے ہاتھ تنی سے کاندھوں سے جھٹک کر وہ صوفے پر بیٹھ گئی تو آنیحان حیدر مسکرا کر اسے دیکھتا رہا پھر ٹیبل پر اس کے سامنے جا بیٹھا دائیں ہاتھ کو کھینچ کر ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

"مجھے تمہارے اس رویے سے بہت خوشی ہو رہی ہے گیتی اب تمہیں واقعی کوئی شکست نہیں دے سکتا اور میں نے یہی چاہا تھا کہ تم اتنی ہی مضبوط ہو جاؤ کہ پھر میں بھی چاہوں تو تمہیں لیٹ ڈاؤن نہ کر سکوں۔"

"بچے کہاں ہیں ——؟" اس نے اثر لیے بغیر سرد مہری سے اس کی باتوں کو غیر ضروری ثابت کرنے کے لیے کمرے سے نکلتے ہوئے سوال کیا مگر آنیحان حیدر نے اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہونے دی کلائی تھام کر اسے روک لیا پھر دھیم سا بولا۔

"کیا تم وجہ نہیں جاننا چاہو گی گیتی کہ میں نے تین مہینے تمہیں اس قدر ٹیز کیوں کیا۔"

"نہیں میں ہرگز بھی یہ جاننا نہیں چاہوں گی کیونکہ میرے لیے ماضی صرف میری ناکامی کو کامیابی کی ملنے والی کمک کے سوا کچھ نہیں، میں نے ماضی پر رونا چھوڑ دیا ہے آنیحی کیونکہ میں جان گئی ہوں وہ رب واقعی کسی انسان پر اس کی اہلیت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا ہاں بس میں آپ کا شکریہ ضرور ادا کروں گی کہ آپ نے اپنے تلخ رویے سے میرے اندر کی خوبیوں کو ابھارنے میں مدد دی وہ خوبیاں جن کا مجھے بھی ادراک نہیں تھا۔"

وہ کہہ کر پھر سے اٹھی، آنیحان نے پھر سے کھینچ کر اسے بٹھا دیا پھر تڑپ کے بولا۔

"تم کیا سمجھتی ہو خود کو۔ کیا صرف تم میں ہی تعلقات نبھانے کی صلاحیت ہے۔ ادھر دیکھو میری طرف دیکھو گیتی اور سنو جس طرح تم نے میرے بعد کسی کو نہیں دیکھا، میں نے بھی تمہارے بعد کسی کو نہیں دیکھا کیونکہ۔"

"پلیز آنیحی! ضروری تو نہیں ہم کسی بات کو ثابت کرنے کے لیے کسی دوسری غلط بیانی سے کام لیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" اس نے گھور کے اسے دیکھا تو وہ ہنسنے لگی پھر ہنستی روتی کیفیت میں دیکھ کے بولی۔

"کیا بات ہے آنیحی وہ حسین خواب دکھانے والی کیا آپ سے روٹھ گئی جو آپ کرچی کرچی خوابوں کو دوبارہ جوڑنے آئے ہیں۔" پھر رک کر بولی۔ "لیکن آپ بہت اچھے دوست رہ چکے ہیں میرے، اس لیے میں آپ کو اطلاعاً بتا رہی ہوں کہ کرچیاں دل کی ہوں یا شیشے کی دونوں زخمی کر دیتی ہیں انسان کو شاید آپ کو یاد نہیں رہا ہو گا یہ ہے نا۔"

اس نے اثر نہیں لیا پھر بولا۔

"گیتی! تم اس پر یقین کرو یا نہیں لیکن یہ حقیقت ہے یہ سب کچھ میں نے تمہارے بھلے کے لیے ہی کیا تھا۔ تم ہی بتاؤ میں نارمل حالت میں تم سے کہتا۔ گیتی باہر نکلو کوئی جاب کرلو تو کیا تم سنجیدگی سے اس پر سوچتیں۔ تمہیں گھر پر رہنے کی عادت پڑ گئی تھی پھر بھلا اتنے بھلے گھر میں بیٹھی بیٹھی تم میری رائے پر گھر سے باہر نکلنے کو حماقت نہیں سمجھتیں؟ عقلمندی سے یہ نہیں سوچتیں کہ سب ہی کچھ تو دے رکھا ہے خدا نے پھر اس نئے آزار میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

گیتی فیروز نے سر اٹھا کر آنیحان حیدر کی آنکھوں میں دیکھا جہاں صرف سچائی ہی سچائی موجزن تھی، سو انداز میں خود بخود نرمی در آئی۔

آنیحان حیدر نے بات کا اثر دیکھا تو مزید بولا۔

"تو بس یہی سوچ کر میں نے وہ تلخ رویہ اپنایا جس پر مجھے خود تنہائی میں بہت زیادہ شرمندگی ہوتی تھی۔ لیکن وہ سب تمہاری بہتری ہی کے لیے تھا یوں جیسے کسی کے علاج کے لیے کڑوی دوا تجویز کرے معالج اور وقت کے معالج کی یہ رائے تھی کہ میں تمہیں زندگی کے اس دوسرے رخ سے بھی آشنا کرواؤں۔ گیتی! زندگی بہت اچھی سہی لیکن اس کے لیے کوئی بھی بات حتمی نہیں کہی جا سکتی۔ زندگی اور موت کا ایک دن معین سہی لیکن اچھے برے حالات کے لیے انسان پہلے سے تیار ہو تو اسے مسائل کا سامنا کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوتی۔"

"آپ! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حلق میں خود بخود کانٹے اگ آئے اور اس نے اس کے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔

"صرف اتنا ہی گیتی! یہ شہر بہت غیر محفوظ ہے بابا نے یہاں سے سارا بزنس اس لیے ہی وائنڈ اپ کیا تھا ان کا بزنس برباد ہو رہا تھا لیکن اس لمحے بھی میں نے صرف اس لیے اس شہر کی حمایت کی تھی کہ یہاں میرے دادو رہتے ہیں۔ تم یہاں رہتی ہو پھر جب میرا یہاں سب کچھ ہی تھا تو میں کہیں اور کیسے بستا؟ لیکن یہ طے ہے گیتی دن رات ہونے والی دہشت گردی نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور ضرور کیا کہ اگر اچانک مجھے کچھ ہو جاتا ہے تو؟"

"آنیحی پلیز یوں تو نہ کہیں۔" اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بے بسی سے دیکھا اور اس نے نم آنکھوں سے دیکھ کر ہولے سے اس کا مخروطی ہاتھ اپنے ہونٹوں سے ہٹا کر کہا۔

"سچائی کی تلخی کس قدر بھی تلخ ہو گیتی! آپ کی کامیابی یہ ہے کہ آپ اسے مان کر اس کا تدارک کریں۔ سو میں نے بھی یہی سوچ کر چاہا کہ میں تمہیں اچانک کسی بھی لمحے آنے والے حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے ابھی سے تیار کر دوں۔ گیتی میرے بابا اور ماما مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی محبت ان کے جیسی مصروف زندگی گزارنے والے ماں باپ کر سکتے ہیں میرے بھائی بھی خون کے رشتے کے حسابوں مجھے چاہتے ہی ہوں گے۔ لیکن اس محبت کا مجھے ادراک نہیں ہو سکا اور سچ پوچھو تو بزنس میں ایک وقت تک ان کی وجہ سے اور میرے لاابالی پن نے بہت نقصان پہنچایا ہے مجھے۔ پھر مجھے یہ بھی یاد تھا کہ اتنے برس بعد بھی میرے گھر والوں نے تمہیں اس طرح قبول نہیں کیا، جس طرح وہ کسی ایسی لڑکی کو کرتے جو ان کی اپنی سوسائٹی کی لڑکی ہوتی سو مجھے تمہارے مستقبل سے ڈر لگتا تھا۔ تم جس بری طرح مجھ پر انحصار کرتی تھیں۔ اس کے اندھے پن سے خوف آتا تھا کہ میرے بعد اگر تمہیں جینا پڑا تو تم قدم قدم پر ٹھوکر کھاتیں، بس اس لیے یہ سیٹ اپ بنا کر تمہیں مہمیز دی میں نے۔ تم جانتی ہو گیتی! انسان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اس کی انا پر ضرب پڑے، اس کی عزت نفس مجروح ہو تو وہ یا تو ٹوٹ کر تباہ ہو جاتا ہے یا اکڑ کر تن جاتا ہے جو نہیں ہے اسے ثابت کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے اور مجھے تمہیں اسی محاذ پر ہراول دستے کا سپاہی بنا کر ہی لڑنے کی تربیت دینی تھی۔"

گیتی فیروز کچھ نہ بولی بس روئے گئی آنیحان حیدر نے اسے رونے دیا۔ تین مہینے کی بدگمانی کی گردان ہی آنسوؤں سے دھل سکتی تھی سو وہ خاموش بیٹھا اسے

دیکھتا رہا پھر کافی دیر بعد اس کی طرف ٹشو بڑھا کر بولا۔
"بہت عرصے پہلے میں نے تم سے ایک سچ شیئر کیا تھا۔ آج میں اسی کو دوہرا رہا ہوں گیتی۔" وہ رکا پھر خود سے قریب کر کے بولا۔
"میں نے محبت کو آج تک کسی چہرے میں نہیں مانا تھا۔ بظاہر میں ہر تعلق میں وجہ اور غرض ڈھونڈا کرتا تھا لیکن گیتی! جس طرح تم نے میری زندگی سنواری ہے اس کے عوض میں آج پھر برملا کہتا ہوں۔ ہاں دنیا میں وہ لڑکی تم ہو۔ تم نے محبت کرنا سکھایا ہے مجھے' میں جھوٹ نہیں بولوں گا کہ تم میری زندگی کی پہلی لڑکی تھیں لیکن یہ سچ ہے کہ میری زندگی کی تم وہ آخری لڑکی ہو جس کے بعد مجھ میں محبت کے لیے تشنگی نہیں رہی۔ آئی سویئر میں تمہارا ہوں۔ تمہارا تھا' تمہارا ہی رہوں گا گیتی۔"
گیتی نے کاندھے پر اطمینان سے سر ٹکا دیا۔ تین مہینے کی تھکن جیسے لمحہ لمحہ اس کی محبت سے آپ ہی آپ مٹتی جارہی تھی۔ زندگی یکدم ہی خوشگوار ہوگئی تھی یا لگنے لگی تھی جب اچانک اٹھ کر اس نے مزید دو مہینے کی جدائی چاہی۔
"کیا! کیا مطلب آپ کیوں جارہے ہیں؟"
گھبرا کر ہاتھ تھام لیا تو اس نے مسکرا کر دیکھا۔ "کچھ بزنس پرابلم ہیں گیتی! دراصل سلمان بھائی کے بزنس میں میرے بھی کچھ شیئرز ہیں لیکن مجھے ان کی بابت کچھ تسلی بخش رپورٹس نہیں مل رہیں' آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کے مصداق سب سلمان بھائی کی فیور میں جاتا ہے سو اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے میرا جانا بہت ضروری ہے۔ لیکن جاتے جاتے اب میں یہ بھی چاہوں گا کہ تمہیں میری منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور ٹیکس فری رکھنے کے لیے دوسرے ناموں سے موجود اثاثوں کے بارے میں معلومات ہو' یہ ان کی تفصیلات ہیں جنہیں تمہارا سمجھنا بہت ضروری ہے۔ یہ میری بیلنس شیٹ ہے اس کا مطالعہ بھی کرنا تمہارے لیے سود مند ہوگا۔" اس نے یکدم اتنی ذمہ داری آتے دیکھی تو بدک کر بولی۔
"نہیں آنجی! میری اپنی اتنی زیادہ مصروفیتیں ہیں۔ میں یہ سب نہیں دیکھ پاؤں گی۔"
مگر آنجان حیدر نے کچھ نہ سنا اس کا رخسار تھپتھپاتا ہوا کمرے سے نکل کر التوا میں پڑے کام کو نمٹانے آؤٹ ہاؤس کی طرف چل دیا پھر آدھی رات تھی جب اس نے ٹیلی فون اپنی طرف کھسکایا نمبر پریس کر کے کتنی دیر تک فون اٹھائے جانے کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف سے کہیں جا کر دسویں بیل پر ریسیور اٹھایا گیا تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"کیوں' بھئی ایشم کے بچے سو رہے تھے کیا؟"
"کیوں کیا افتاد پڑی تھی مجھ پر جو میں اور میرے نامعلوم بچے جاگتے رہتے بھئی؟" تپ کر جواب دانا اور وہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ "میرا ٹکٹ کنفرم ہوگیا ایشم۔"
"ہاں ویزا ٹکٹ سب کنفرم ہے تم سناؤ۔ تم نے اپنا معرکہ کیسے لڑا؟"
"سو فیصد کامیاب۔ تم تو جانتے ہو۔ گیتی روٹھ جائے تو میرے اعصاب یونہی کمزور ہو جاتے ہیں سو اس سفر پر جانے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ میں اسے منالیتا۔" کچھ ساعت رکا پھر بولا۔ "یوں تو میں بہت جلد لوٹنے کی کروں گا لیکن تم پھر بھی گیتی کا خیال رکھنا ایشم! وہ بظاہر نڈر دکھائی دیتی ہے لیکن اندر سے اب بھی اسے ہر لمحے مورل سپورٹ کی ضرورت ہے۔ کوئی ایسا شخص جو اسے ہمت حوصلے کی کمک پہنچاتا رہے۔ تم سمجھ رہے ہو ناں۔"
"ہاں میں سمجھ رہا ہوں لیکن آنجی! تم نے تین مہینے لیٹ ہو کر اپنے لیے مشکلات بڑھا لی ہیں۔ مسٹر فریڈرک نے کل کافی تپ کر فون کیا تھا۔ تم جانتے ہو۔"
"ہاں میں جانتا ہوں۔ اسی لیے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میں جانے کے لیے تیار ہو گیا ہوں۔ بظاہر تو ایسی پریشانی کی بات نہیں لیکن ایشم! اگر مجھے کچھ ہو جائے تو میری وصیت کے مطابق میری ڈیڈ باڈی اسی سرزمین پر آنی چاہیے۔ میں گیتی سے دور ہو کر بھی دور نہیں رہنا چاہتا۔ ایشم تم سن رہے ہو ناں۔"
ایشم نے گہری سانس لے کر صرف ہوں کہی اور وہ جو اسے لاؤڈ سے سونے کا کہنے آئی تھی۔ پتھر کی بت بن گئی تھی۔ شیشے کے پار وہ ریسیور رکھ کر پھر سے فائلوں پر جھکا ہوا تھا اور اس کے سیاہ سلکی بال اس کے ماتھے پر اترے تھے' گیتی فیروز کا دل چاہا۔ بڑھ کر ان بالوں کو سنوار دے مگر وہ بوجھل قدموں سے اپنے بیڈروم میں لوٹ آئی پھر تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس کے مہمل اندیشوں کا سرا ہاتھ آہی گیا تو پھر جی میں حوصلہ کہاں رہا تھا۔ وہ دھاروں دھار روئے جارہی تھی' دل کی بدحواسی نہ گھٹی تو وہ وضو کر کے جائے نماز بچھا کر نماز کی نیت کر کے اس کے حضور جا پہنچی۔ جس کی عدالت کے علاوہ کوئی بڑی عدالت نہیں تھی اور جس کے رحم سے بڑھ کر شکستہ دلوں کا کوئی آسرا نہیں تھا۔
بہت پہلے اس نے خدا کو فلسفے سے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن آج کھلا تھا جو لوگ خدا کو فلسفے سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ سدا راندہ درگاہ رہتے ہیں ورنہ کون نہیں جانتا خدا تو ذرے ذرے میں ہے۔ خود اپنے دھڑکنے والے دل میں ہے۔ خدا محبت ہے اور محبت سے ہی پہچانا جاسکتا ہے۔
سو آج اس نے بھی اسے محبت ہی سے پہچانا تھا اور بہت دل سے گڑگڑا' گڑگڑا کر اپنی محبت کی عمر طویل ہونے کی دعا کی۔ اطمینان قلب محسوس ہوا تو وہ فجر کی نماز کے بعد سوئی' آنجان صبح اسے اٹھانے آیا تو ٹھٹک گیا۔ وہ سوتے میں لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی کہ دل نے مانا نہیں اور وہ بچوں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا پھر صبح دس بجے وہ ملازمین سے ناشتے کی میز گیتی فیروز کی طرح لگوا رہا تھا کہ وہ بالوں کو ہیئر بینڈ میں باندھتی ڈائننگ روم میں چلی آئی۔
"ارے آپ نے مجھے کیوں نہ جگایا؟"
"بس ویسے ہی دل چاہا تھا' آج کے دن میں تمہاری میزبانی کروں۔" اس کا چہرہ گلگوں ہوگیا۔ دونوں بچے تیار ہو کر میز سنبھال چکے تھے۔ آنجان نے جانے کا سنا تو دونوں کی فرمائشیں شروع ہوگئیں۔ اس نے سب سنا۔ تنہائی ملی تو پوچھا۔
"تمہارے لیے کیا لاؤں گیتی۔" اس نے کالر تھام کر یقین سے آنکھیں بھر کر کہا۔
"صرف اپنا آپ۔ آپ لوٹ آئیں۔ میں سمجھوں گی' میری ہر تمنا پوری ہوئی۔"
آنجان حیدر نے مسکرا کر دیکھا۔ کھینچ کر قریب کر لیا اور وقت سے دوبدو کرتی محبت تھی جو پوچھ رہی تھی۔
"اب بتاؤ۔ کیا اب بھی اس محبت کے رب کو ان پر رحم نہیں آئے گا۔ کیا وہ ان کے پیارے چہروں کو اداس و غمگین دیکھ سکتا ہے۔ کیا دعائیں رائیگاں جاسکتی ہیں۔ اتنی محبت سے مانگی گئیں دعائیں۔"
وقت نے کچھ نہ کہا کہ اس یقین کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور محبت تھی' محبت کے رب کی رحمتوں کی ثنا کرتی ان کے جیون کو دعا دیتی آگے بڑھ گئی۔ دعا جو زندگی کی تپتی دھوپ میں سائبان ہے۔ ہاں وہی دعا ان پر سایہ فگن تھی پھر انہیں کلفت زدہ اور بدحواس ہونے کی ضرورت ہی کب تھی۔ زندگی خوبصورت ہوگئی تھی' پل بھر میں اور اب ایسی ہی خوبصورت رہنی تھی۔

آؤ ہم سفر ہو جائیں

سعدیہ عزیز آفریدی

عمر بھر کی مسافتیں یہ دوریاں اور فاصلے
تم چاہو تو عجب نہیں یہ پل میں سر ہو جائیں
میں کاٹ سکوں گا تنہا نہ تم کاٹ سکو گے
کٹھن راستے آؤ ہم سفر ہو جائیں

دو افراد ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔۔۔ اس کے باوجود وہ اس کے اندر کی دنیا سے بے بہرہ رہتے ہیں۔۔۔ ایسے ہی دو دوستوں کی کہانی۔۔۔ وہ ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے جذبے سے ناآشنا تھے۔